

اسلامی عقائد

اسلام

WWW.NAFSE ISLAM.COM

علامہ سید محمود احمد ضوی

www.nafseislam.com

پیش قدمی

مسئلہ بند کی تحقیق

امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قدمی غصب کرنے

سے متعلق الزام کا مکمل جواب

تالیف

علامہ سید محمود احمد رضوی

نظر اولین

اس کتابچہ کی ترتیب کا مقصد مناظرہ و مباحثہ نہیں۔ بلکہ اپنے مذہب و مسلک کی وضاحت اور صحابہ کرام کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلانی جاتی ہیں اور فرضی افسانے بنا کر ان مقدس اور واجب الاحترام ہستیوں پر جو طعن کیے جاتے ہیں ان کی مدافعت مقصود ہے۔ مسلمان بھائیوں سے التماس ہے کہ وہ اس کتابچہ کو نہایت ٹھنڈے دل و باغ کے ساتھ مطالعہ فرمائیں اور جو حق باتیں اس کو قبول کر لیں۔

سید محمد واحد خوی
دسمبر ۱۹۵۴ء

بارہواں طعن بارہ فدک

فدک سے متعلق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو طعن کیا جاتا ہے یہ بارہواں طعن ہے جو مختلف الفاظوں سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی مختصر تقریر یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ نے اپنے والد مکرم کی میراث کا مطالبہ کیا۔ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر نے حدیث لا نُوْرَثُ سنادی جس پر سیدہ ناراض ہوئیں۔ آپ نے کہا اے ابو بکر فدک کے بیٹے یہ کونسا انصاف ہے کہ تو اپنے باپ کی میراث حاصل کرے اور میں محروم رہوں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سیدہ نے کہا فدک ہمارا ہے۔ رسول ہمیں دے گئے ہیں۔ اس پر حضرت ابو بکر نے گواہ طلب کئے تو سیدہ حضرت علی، حسنین اور ام المین کو گواہ لائیں اور حضرت ابو بکر نے ان کی گواہی رد کر دی۔ پھر اس پر یہ حاشیہ چڑھایا جاتا ہے کہ اس پر سیدہ ناراض ہو گئیں اور مرتے دم تک حضرت ابو بکر سے نہ بولیں۔ حتیٰ کہ یہ وصیت کر گئیں کہ میرے

جنازہ میں ابو بکر شریک ہوں۔ چنانچہ بوقت وفات حضرت علی نے ابو بکر کو اطلاع بھی نہ دی اور راتوں رات آپ کو دفن کر دیا۔ دیکھو ابو بکر نے جگر پارہ رسول کو ناراض کیا۔ حضور نے فرمایا ہے۔ فاطمہ کی اذیت سے مجھے بھی اذیت ہوتی ہے تو ابو بکر نے فقط فاطمہ کو غضب ناک نہیں کیا بلکہ پیغمبر خدا کو غضب ناک کیا۔ اور اغصاب النبی محلۃ حدّ الشراک؛ (خلاصہ از کتاب سوار السبیل صفحہ ۱۵۹ مصنف محمد ہدیہ شیعہ عالم)

طعن کی تقریب آپ نے سن لی حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرک تک کہہ دیا۔ اس سے زیادہ اور کہا جاتا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے حضرات کو ہدایت دے اور یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے ذاکروں کے فرضی افسانے سُسنے پر ہی اکتفا نہ کریں۔ بلکہ انصاف و دیانت کے ساتھ فرقہ فرائض کی تحریروں کا مطالعہ کریں۔ اور جو حق نظر آئے اسکو قبول کریں۔ یہ ہے کہ اتنی بات صحیح ہے کہ سیدہ فاطمہ نے فدک مانگا تھا اور صدیق اکبر

طعن فدک کا جواب | نے اس کے جواب میں رسول کریم کی حدیث سنائی تھی۔ لیکن سیدہ کا ناراض ہونا یا ابو بکر پر بددعا کرنا یا اپنے ناز جنازہ میں شرکت سے منع فرمانا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو مخالفین صحابہ کی تصنیف ہیں۔ جناب سیدہ کا فدک کے بارے میں اپنی زبان سے ابو بکر کی شکایت فرمانا اہل سنت کی کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ بخاری و مسلم میں اس کا قصہ یوں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابو بکر سے فدک کا سوال کیا۔ یا یہ ہے کہ حضرت فاطمہ اور عباس حضرت ابو بکر سے میراث طلب کرنے کے لیے آئے۔ حضرت سیدہ فدک کا مطالبہ کرتی تھیں اور حضرت عباس سہم خیر کا۔ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر نے ابتداءً یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ میں نہیں دیتا بلکہ آپ نے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی تو حضرت ابو بکر نے ان دونوں سے فرمایا:-

میں نے رسول کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ سب وہ سب صدقہ ہے۔ اہل آل محمد اس کی آمدنی سے کھائیں گے۔

فَقَالَ لَهُمَا أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَوَرِثُ مَا تَرَكَنَا هَٰذَا صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هَٰذَا

المال۔

اس حدیث رسول کو سننے کے بعد حضرت ابو بکر نے فرمایا :-

وَاللّٰهُ لَا اَدْعٰى اَمْرًا اَدَّيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

مخدا جو کام میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو کرتے دیکھا اسکو ترک نہیں کروں گا۔

مسلم شریف کے لفظ یہ ہیں کہ حضرت ابو بکر نے حدیث سننے کے بعد کہا :-

اِنِّیْ وَاللّٰهُ لَا اُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَاتِ
رَسُوْلِ اللّٰهِ عَنْ حَالِهَا الَّتِیْ کَانَتْ
عَلَيْهَا فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا یَمْلِکُ
رَفْعًا یَمَاقِلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ (مسلم شریف)

خدا کی قسم میں صدقہ رسول کو جسے کہ وہ
رسول کے زمانے میں تھا متغیر نہیں کروں گا
اور اس میں جس طرح رسول نے عمل کیا ہے
اسی طرح کروں گا۔

ہم نے کتب صحاح اہل سنت کی روایات میں دیکھا کہ آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ ان میں
صرف یہ ہے کہ جب فدک کا مطالبہ ہوا تو حضرت ابو بکر نے حدیث سنائی کہ حضور نے فرمایا ہے کہ ہم
کسی کو وارث نہیں بتاتے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر نے یہ بھی فرمایا کہ فدک حکم نبوی کے مطابق تقسیم
تو نہیں ہوگا مگر اس کی آمدنی آل محمد پر صرف ہوگی۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ جس طرح فدک کی آمدنی کو حضور
اکرم اپنی حیات مبارکہ میں خرچ فرماتے تھے۔ میں بھی اسی طرح خرچ کروں گا اور حضور کے طریق
کار کا پابند رہوں گا۔ یہ ہے وہ گفتگو جو سیدہ فاطمہ اور حضرت ابو بکر کے درمیان ہوئی۔ حضرت
فاطمہ نے حدیث سنی لینے کے بعد زبان سے کچھ نہیں فرمایا۔ ظاہر ہے۔ اتنی گفتگو میں کوئی ایسی بات
نہیں ہے جس کی بنا پر فریقین کو مورد طعن بنایا جائے۔ سیدہ فاطمہ کا فدک طلب کرنا حضرت ابو بکر
کا حدیث سننا حکم شرع ظاہر فرمانا اور قسم اٹھا کر یہ کہنا کہ میں فدک میں حضور کے طریق کار کا پابند
رہوں گا۔ کوئی بھی تو ایسی بات نہیں ہے جس کو طعن کا سبب بنایا جائے۔ غرض کہ حضرت فاطمہ و
ابو بکر کے اس سوال و جواب کو نقل کرنے کے بعد راوی حدیث اپنے ذاتی تاثرات یوں بیان کرتے ہیں۔

فَضَضَتْ فَاطِمَةُ وَهَجَعَتْ
اَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَابِجِرَةً حَتّٰی
تَوَفَّيْتُ وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
سِتَّةَ اَشْهُ (بخاری)

پس حضرت فاطمہ ناراض ہوئیں۔ انہوں
نے ابو بکر کو چھوڑے رکھا۔ یہاں تک
کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت فاطمہ
حضور کے بعد چوبیس سال تک جیوا رہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ روایت کے یہ لفظ جن پر ہم نے لکیر کھینچ دی ہے یہ حضرت فاطمہ کی زبان کے لفظ نہیں ہیں۔ بلکہ راوی حدیث کے ذاتی تاثرات ہیں جن کو انھوں نے اپنے لفظوں میں میں ظاہر کیا ہے۔ اور یہی بات ہم کو خصوصیت سے نوٹ کرانی ہے کہ صحاح کی کسی بھی روایت میں حضرت ابوبکر کی شکایت جناب سیدہ کی زبان سے ثابت نہیں ہے۔ اور نہ راوی حدیث ہی یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سیدہ کی زبان سے حضرت ابوبکر کی شکایت سنی ہے۔ اور نہ اصل کی دل کا فعل ہے۔ جب تک زبان سے اس کا اظہار نہ ہو دوسرے شخص کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ البتہ قرائن سے دوسرے شخص قیاس کر سکتا ہے۔ مگر ایسے قیاس میں غلطی ہو جانے کا امکان ہے اور جب تک سیدہ کی زبان سے شکایت کا اظہار نہ ہو اس وقت تک ان کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ حضرت فاطمہ ابوبکر پر ناراض ہوئی ہیں۔ ثانیاً۔ اگر بالفرض والمحال ناراض ہو بھی گئیں تو حدیث سن کر ان کا ناراض ہونا اور حضور کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے حضرت ابوبکر پر ناراض ہونا ایسی بات ہے جو سیدہ سے ممکن ہی نہیں ہے بعللہ یہ کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ابوبکر حدیث سن کر اس پر عمل کرنے کا عہد کریں اور سیدہ ناراض ہو جائیں۔ ان دو اصولی باتوں کو ذہن میں رکھ کر روایت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو پھر طعن کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی بہر حال اس کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔ اس موقع پر تو ہمیں صرف یہ بتانا تھا کہ اتنی بات صحیح ہے کہ سیدہ نے فدک مانگا تھا اور حضرت ابوبکر نے حدیث سنائی تھی اور حکم نبوی کی تعمیل میں فدا کر تقسیم نہ ہوا۔ لیکن یہ بات کہ حضرت فاطمہ نے اپنی زبان مبارک سے ناراضگی کا اظہار فرمایا محض ایک افواہ ہے جو کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔

جو حدیث سیدنا ابوبکر صدیق نے سنائی۔ اس کے متعلق پہلا
آیت یُوصِّیْکُمُ اللّٰہُ کَآمِلُ جَوَاب | اعتراض یہ ہے کہ یہ آیت قرآنی کے خلاف ہے۔ اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے یُوصِّیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوَّلَادِکُمْ لِلَّذِیْ کُنتُمْ عَلَیْہِ الْاٰثِمِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری اولاد کے حق میں مرد کے لئے دو عورتوں کے ہر حصہ کی وصیت کی ہے۔ یہ آیت عام ہے۔ نہی اور غیر نہی سب کے لیے ہے۔ جیسے عام لوگوں کی اولاد باپ کے متروک مال کی وارث ہوتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام خصوصاً حضور علیہ السلام کی میراث آپ کی اولاد میں تقسیم ہونی چاہیے۔

جواب: اس میں شک نہیں کہ اس آیت میں رشتہ کے کوڑا اور رشتہ کی کوہرا حضرت علیہ السلام نے

کا حکم ہے۔ مگر حکم عام نہیں ہے۔ صرف اُمت کے لیے ہے۔ اور جو اس سے مستثنیٰ ہیں۔ قرآن پاک میں متعدد ایسی آیتیں ہیں جن میں خطاب حضور کو ہے، مگر مراد اس سے اُمت ہے۔

فَاتَّخِذُوا مَعَ طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ
مَثْنً وَثُلَّةَ وَرُبُعَ | نکاح کرو عورتوں سے جن کو تم پسند کرو۔ دو یا تین یا چار تک۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان مرد کو یک وقت چار عورتوں کو نکاح میں رکھنا جائز ہے اور چار سے زیادہ ناجائز ہے لیکن حکم اُمت کے لیے ہے اور حضور اکرم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ آپ کو چار سے زیادہ شادیاں کرنا جائز تھا اور اس کا جواز قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ اسی طرح مندرجہ ذیل آیات پر غور کیجئے :-

(۱) لَا تَبْطِلُوا آغْصَانَكُمْ (۲) وَلَا تَقْطَعُوا أَسْوَاحَكُمْ (۳) مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مَثْنً وَثُلَّةً
عَنْ وَثْنٍ - ان آیات میں حضور اکرم مراد نہیں ہیں کیونکہ ارتداد عن الاسلام اور قطع ارحام وہ امور ہیں جن کا حضور میں پایا جانا محال ہے۔ اسی طرح (۴) وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ (۵) لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ (۶) فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (۷) حَبِيبَ إِلَيْكُمْ إِلَّا لِبَنَاتِكُمْ (۸) وَلَكِنَّ اللَّهَ
أَكْرَمَاسِ فِي دَاخِلٍ نَحْنُ فِيهِ - بلکہ اُمت مراد ہے۔ تو اسی طرح آیت يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ فِي حُضُورِ
شَامِلِ نَحْنُ فِيهِ اور حکم افراد اُمت کے لیے ہے۔ چنانچہ خود شیعہ مذہب کی معتبر کتاب اصول کافی کی حدیث اس کی تائید کر رہی ہے۔ اور یہ بتا رہی ہے کہ حضور علیہ السلام اس میں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ حکم عام افراد اُمت کے لیے ہے۔

سوال : اس موقع پر شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث قرآن کی تخصیص نہیں کر سکتی لیکن ان کا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ خود شیعہ مذہب میں حدیث سے قرآن کی تخصیص جائز ہے۔ بلکہ آیت يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ کے حکم میں شیعہ علمائے خود تخصیص کی ہے۔ اور شیعہ کتب فقہ میں (تخصیص) مانع ارث میں تک گناے جاتے ہیں۔ چھ صاحب المعانی نے ذکر کیے ہیں اور کتاب شرائع الاسلام میں بھی ان کا ذکر ہے۔ مثلاً (۱) اَوْلَادُ مُسْلِمٍ كَافِرٍ بِأَبٍ كِافِرٍ نَحْنُ فِيهِ - اسی طرح اگر ایک دوسرے میں سے ایک غلام ہو یا ایک دوسرے کا قاتل ہو اور قصاص یا کفارہ لازم ہو گیا ہو۔

یا ایک دوسرے میں سے ایک حربی ہو اور دوسرا اہل اسلام کی رعیت ہو تو ان سب شکلوں میں نوارث جاری نہ ہوگا۔ جیسا کہ شرائع الاسلام و سراجی میں ہے۔

وراثت سے محروم ہونے کے چند اسباب ہیں۔ وارث غلام ہو یا غلام ازبی کردہ تام ہو یا ناقص ہو، مورث کو وارث کا قتل کرنا کہ اس پر قصاص یا کفارہ لازم ہو۔ مورث و وارث کا مذہب میں مختلف ہونا اختلاف داریں یعنی ایک دارالسلام میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں۔

(سراجی)

الْمَالُ مِنَ الْإِثْمِ الرِّقُّ وَالْفِرَاؤُ
أَوْ الْقَصَاوُ الْقَتْلُ الَّذِي يَتَعَلَّقُ
بِهِ وَجُوبُ الْقَضَائِصِ أَوْ الْكَفَّارَةُ
وَ اخْتِلَافُ الدَّيْنَيْنِ وَ اخْتِلَافُ
الدَّارَيْنِ إِمَّا حَقِيقَةً كَالْحَرْبِيِّ
أَوِ الدِّمِيِّ أَوْ حُكْمًا كَالْمُخْتَلَفِ
وَالَّذِي أَوِ الْحَرِّ يَكُونُ مِنْ دَارَيْنِ
مُخْتَلِفَيْنِ .

دیکھیے شیعہ علماء و احادیث ائمہ کرام کے پیش نظر مذکورہ بالا افراد کو آیت کے حکم عام سے خاص کر رہے ہیں جس سے واضح ہو کہ شیعہ مذہب میں حدیث سے تخصیص جائز ہے۔ ہر جگہ شیعہ سنی دونوں متفق ہیں کہ ان مذکورہ بالا صورتوں میں میراث جاری نہیں ہوگی۔ حالانکہ آیت میراث کا حکم جمیع افراد امت کے لئے ہے تو جیسے ان افراد کو از روئے حدیث شیعہ علماء نے آیت کے حکم عام سے خاص کیا ہے۔ اس طرح حدیث لانورث نے جو فرقہ فتن کی کتب صحاح کی حدیث ہے، حضور علیہ السلام کو اس سے علیحدہ کر دیا اور بتا دیا کہ حکم افراد امت کے لئے ہے حضور کے لئے نہیں۔ پس حدیث لانورث آیت قرآنی کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کی توضیح کر رہی ہے اور یہ بتا رہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب میں حضور علیہ السلام داخل ہی نہیں۔ لہذا حدیث لانورث کو قرآن کے خلاف کہنا بالکل غلط ہے۔

ثانیاً۔ اس حقیقت سے کون انکار

تقسیم کے ترکہ میں ہی پیدا نہیں ہوتا

اس کتاب کے حضور سید عالم صلی اللہ

علیہ وسلم سید الزاہدین تھے، زہد و قناعت اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ آتا تھا غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک بار نماز عصر پڑھ کر فوراً گھر تشریف لے گئے اور پھر فوراً باہر تشریف لائے۔ لوگوں کو تعجب ہوا تو فرمایا کہ نماز میں مجھے خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا ہو گیا،

خیال آیا کہ میں رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے اس لیے اسکو خیرات کر دینے کو کہا یا ہوں (ابو داؤد)
 ۲۔ ایک بار میں فدک نے چار اونٹ غلہ بارک کے خدمتِ اقدس میں بھیجے۔ حضرت بلال نے اس کو
 فروخت کیا۔ ایک یہودی کا قرض تھا اس کو ادا کیا اور حضور کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا: کچھ بچ تو نہیں گیا۔
 کیونکہ جب تک کچھ باقی رہے گا، میں گھر نہیں جاؤں گا۔ بلال نے عرض کی حضور کیا کروں کوئی سائل ہی
 نہیں ہے۔ حضور گھر تشریف نہیں لے گئے بلکہ مسجد میں رات بسر کی۔ صبح کو بلال نے خبر دی کہ جو بچا تھا
 وہ غریبوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ تب جا کر حضور گھر تشریف لے گئے (ابو داؤد)

مرضِ وفات میں آپ نے حضرت عائشہ کے پاس جو اشرفیاں رکھی ہوئی تھیں، یاد آنے پر فوراً ان کی
 خیرات کا حکم دیا تھا۔ یہ اور اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم اپنے
 پاس کچھ باقی نہیں رکھتے تھے۔ جو کچھ آتا تھا اس کو رام خدا میں خرچ فرما دیتے تھے۔ فیاض تھے اور انہما
 درجہ کے زاہد تھے۔ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی واقعہ
 پر شہادت نہیں دیتا کہ آپ نے اپنی ۲۲ سالہ زندگی میں کبھی زکوٰۃ ادا فرمائی ہو۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ
 معاذ اللہ آپ مفلس اور غریب تھے۔ بلکہ یہی کہ جو کچھ آتا تھا اس کو رام خدا میں خرچ فرما دیتے تھے
 اور اتنا مال جمع نہ ہوتا تھا کہ وہ زکوٰۃ کو سچے اور زکوٰۃ واجب ہو۔ جب یہ حقیقت ہے تو اس
 صورت میں اگر ہم بالفرض والمحال تسلیم کر بھی لیں کہ آیتِ مبارک کے لفظ کُھڑ میں حضور اکرم بھی
 شامل ہیں تو بھی حضور اکرم کی مبارک تقسیم کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ حضور اپنے پاس مال و دولت جمع فرماتے
 ہی نہ تھے۔ سنی کہ سلسلہ میں یہودان بنی نصیر میں سے مخزوم نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ
 شیب۔ صائق۔ دلال۔ حبیبی۔ برقد۔ اعوان۔ مشربام ابراہیم۔ مرتے وقت حضور کو وصیت کر دیے
 تھے۔ مگر آپ نے ان کو بھی خیرات فرما دیا تھا اور رام خدا میں وقف کر دیا تھا چنانچہ یہ بات شیعہ سنن و دونوں
 مذہب کی کتابوں سے ثابت ہے۔ مسنیوں کی کتاب اصحابہ تذکرہ مخزوم اور شیعوں کی فروغ کافی میں
 اس کا ذکر ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم نے اپنی ذاتی ملکیت میں کوئی چیز چھوڑی ہی نہیں
 جو چھوڑا بھی تو وہ اپنی حیاتِ مبارک ہی میں وقف فرما دیا تھا۔ جیسے یہ سات باغ اور فدک۔ تو ایسی صورت
 میں تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ تقسیم وہ چیز ہوتی ہے جو مورث کی ملکیت ہو۔ اور حضور
 اکرم نے ایسا کوئی ترکہ چھوڑا ہی نہیں۔ ۵
 ہاں کہہ نہیں ہیں کہ پاس کچھ رکھتے نہیں ۵ دو جہاں کی نعمتیں ہیں انکے خالی ہاتھ میں

انبیاء کرام کی میراث صرف علم شریعت ہے

شیعہ سنی دونوں کی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام کسی کو دنیاوی مال و دولت کا وارث نہیں بناتے۔ انبیاء کرام کی میراث صرف علم شریعت ہے۔ اگر وہ کچھ دنیاوی مال چھوڑ جائیں تو اس میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایات اہل سنت | عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

لَا تُورِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ | ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے
(بخاری سے) | ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

• حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لَا تُقْسَمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَلَا دِينَارًا مَا تَرَكَتُ بَعْدَ نَفْقَةٍ وَمَوْنَةٍ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ رِجَالٍ | میری میراث تقسیم نہیں ہوتی درہم ہوا یا دینار۔ میں جو کچھ چھوڑ جاؤں میری ازواج اور عاملوں کا خرچ نکالنے کے بعد وہ صدقہ ہے۔

• حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور کے وصال کے بعد ازواج مطہرات نے حضرت عثمان کے ذریعہ حضور کے مال سے اپنا حق تقسیم کروانے کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا:-

أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَوْثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ رِجَالٍ | کیا حضور نبی کریم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

جب حضرت عائشہ نے حضور کی حدیث سنائی تو ازواج مطہرات نے میراث طلب کرنے کا ارادہ ملتوڑ کر دیا۔

• حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں حضور نے بوقت وصال درہم و دینار

غلام لونڈی نہیں چھوڑے۔ مگر

إِلَّا بَغْلَةً أَلْيَضَاءَ وَسَلَاحٍ
أَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً (بخاری)

ایک سفید چمڑا، ہتھیار اور کھوپڑیاں
سب کو آپ نے صدقہ بنا کر چھوڑا تھا۔

● اسی طرح مالک بن اوس سے مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے مجمع صحابہ میں جن میں حضرت عباس، عثمان، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن العوام، سعد بن ابی وقاص موجود تھے۔ سب کو قسم دے کر کہا کیا تم جانتے ہو کہ حضور نے فرمایا، ہم کسی کو وارث نہیں بناتے تو سب نے اقرار کیا کہ حضور نے ایسا فرمایا ہے۔ اب روایات صحاح شیعہ لیجئے :-

۱۔ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ
وَرِثَةُ الْأَنْبِيَاءِ لَمْ يُورَثُوا دِيْنًا
وَلَا دِشْهًا وَلَكِنْ أُورِثُوا الْعِلْمَ
فَمَنْ أَخَذَ مِنْهُ أَخَذَ بِحَبْطٍ
وَإِنِّي (اصول کافی باب العلم المتعلم)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت
ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا علماء دین انبیاء کے وارث ہیں۔
اس لئے کہ انبیاء کرام کسی شخص کو دین و
دنیا کا وارث نہیں بناتے ہیں تو جس
نے علم دین حاصل کیا اس نے بہت
کچھ حاصل کیا۔

۲۔ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
قَالَ إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ
وَالْبَلَدَانِ الْأَنْبِيَاءِ لَمْ يُورَثُوا
دِشْهًا وَلَا دِيْنًا وَأَنْتُمْ
أُورِثُوا أَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ
فَمَنْ أَخَذَ مِنْ شَيْءٍ مِنْهَا فَقَدْ
أَخَذَ حَبْطًا وَإِنِّي (اصول کافی باب صفة العلم)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ
علماء دین انبیاء کرام کے وارث ہیں۔
یہ اس لئے کہ انبیاء کرام نے کسی کو دین و
دنیا کا وارث نہیں بنایا۔ انھوں نے
صرف شریعت کی باتوں کا وارث بنایا تو جس
کسی نے ان دین کی باتوں کو حاصل کر لیا
اس نے بہت کچھ حاصل کر لیا۔

یہ احادیث اس امر میں نص صریح ہیں کہ انبیاء کرام کی میراث صرف دین اور شریعت ہے۔ نیز اس آیت

ہیں کلہا نجا بھی موجود ہے۔ جو حصہ کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے انعام و لیکم میں شیعہ علماء انما کو حصہ کے لئے مانتے ہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء و کرام کی میراث صرف علم شریعت ہی ہے۔ دنیاوی مال و منال زمین و جائیداد ان کی میراث میں کسی کو ملتے ہی نہیں۔ جب شیعہ سنی کی روایات سے یہ بات ثابت ہے تو پھر حضور اکرم کی میراث مالی کی تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عدم توارث کی عقلی دلیل | نیز عقل بھی یہ چاہتی ہے کہ انبیاء و کرام کی میراث صرف علم شریعت ہی ہو۔ کیونکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد تبلیغ احکام خداوندی و

تزکیہ نفوس ہے۔ شریعت ہی ان کی دولت اور دین ہی ان کا مال ہے۔ لہذا ان کی میراث بھی صرف علم دین ہی ہونا چاہیے۔ خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے آخری رسول ہیں اور ساری کائنات کے لیے معلم و مرکز بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ کے بعد کوئی ایسی صورت باقی نہیں ہے کہ خدا سے احکام لے کر مخلوق تک پہنچائے جاسکیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ حضور کی بعثت کا مقصد فوت نہ ہوا اور جس دین کو حضور لائے ہیں اس کی برابر تبلیغ و اشاعت ہوتی رہے۔ اس لیے ان کی میراث علم شریعت ہی ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ | مالی ترکہ اس کا تقسیم ہوتا ہے جس پر موت واقع ہو جانے کے بعد احکام دنیاوی جاری نہ رہیں۔ ایک آدمی جب تک زندہ ہے اس کی بیوی، اس کے مال و منال جائیداد

وزمین پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ زندہ ہے اس پر نماز روزہ اور تمام احکام شریعت کی پابندی واجب ہے لیکن جب وہ انتقال کر جاتا ہے تو اب اس کا تعلق دنیا سے نہیں رہتا اور احکام دنیاوی اس پر جاری نہیں ہوتے۔ مثلاً مرنے والے کی بیوی عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ کیونکہ بعد عدت رشتہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مال و جائیداد ورثہ میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مال سے اس کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہی حال ہر اس شخص کا ہے جس پر موت واقع ہو گئی۔ چاہے مرنے کے بعد پھر دوبارہ اس کو حیات مل جائے۔ جیسے شہید فی سبیل اللہ کہ اس پر موت واقع ہوتی ہے مگر پھر اس کو زندگی مل جاتی ہے مگر اس زندگی بل جانے کے باوجود شہید پر بھی احکام جاری نہیں ہوتے۔ اس کی بیوی بعد عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ شہید کا مال و جائیداد بھی ورثہ میں تقسیم ہوتا ہے۔ مگر حضور

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اس کے عکس ہے۔ آپ حیات النبی ہیں۔ ایک ان کے لیے آپ پر موت واقع ہوئی تھی۔ مگر اس کے بعد وہی حیات روحانی و جسمانی ہے جو احکام و آداب آپ کے اس وقت تھے وہی اب ہیں۔ آپ اس وقت بھی رسول تھے اب بھی ہیں۔ آپ اس وقت بھی اپنی ازواج مطہرات کے شوہر تھے اور آج بھی۔ آپ اس وقت بھی مالک مختار تھے اور اب بھی ہیں۔ غرضیکہ اس دنیا میں جو احکامات و آداب حضور کے لیے اس وقت تھے وہی بعینہ اب بھی باقی ہیں۔ ان میں کچھ فرق نہیں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات بدستور آپ کے نکاح میں ہیں اور قرآن نے ان کو حضور کے بعد کسی اور سے نکاح کی ممانعت فرمادی ہے۔ حتیٰ کہ آپ کی ازواج مطہرات کے لیے سوگ اور عدت بھی نہیں ہے۔ پس جب حضور اقدس اس شان کے حیات النبی ہیں، زندہ رسول ہیں تو جو زندہ ہو اس کی بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہتی ہے۔ جو زندہ ہو اس کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ جو زندہ ہو اور اس شان کا زندہ ہو اس کا مالی ترک بھی تقسیم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی ملکیت و دیگر احکام وغیرہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

چند شبہات کے جوابات | اس سلسلہ میں حضرات شیعہ کی طرف سے چند اعتراضات کیے جاتے ہیں جن کے مکمل جوابات یہ ہیں :-

اعتراض اول: اگر حدیث لانورث کو مان لیا جائے تو قرآن کا نسخ لازم آئے گا۔ اور حدیث قرآن کو نسخ نہیں کر سکتی۔

جواب: حدیث لانورث تو آپ کو ماننا ہی پڑے گی۔ کیونکہ یہ حدیث شیعہ حضرات کی معتبر مذہبی کتاب اصول کافی کی ہے اور اصول کافی وہ کتاب ہے جو امام غائب علیہ السلام کی تصدیق شدہ ہے۔ اگر یہ حدیث صرف بخاری میں ہوتی تو آپ کہہ سکتے تھے کہ ہم نہیں مانتے۔ مگر اصول کافی کی حدیث کا انکار تو آپ کسی طرح بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کافی کی ساری حدیثیں صحیح ہیں۔

ثانیاً: یہ ہم کہتے ہیں کہ حدیث لانورث نے حکم قرآن کو نسخ کیا ہے۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث لانورث نے یہ بتایا ہے کہ آیت یوحیکم اللہ کا خطاب صرف افراد امت کے لیے ہے حضور اس خطاب میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ امام جعفر صادق کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ انبیاء

کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے تو حدیث لا نورث نے تو صرف حکم قرآن کی تفسیر کی ہے۔ منسوخ نہیں کیا ہے اور حدیث دیسولے کا قرآن کے اجمال و ابہام کی وضاحت کرنا اور اس کے مطالب و معانی کو بیان کرنا ایسا مسدود ہے جس پر شیعہ مستثنیٰ دونوں متفق ہیں۔ لہذا آپ کا یہ کہنا کہ ہم اہل سنت حدیث لا نورث کو قرآن کا ناسخ مانتے ہیں، افتراء محض ہے۔

سوال: اس حدیث کو بیان کرنے والے صرف ابو بکر ہیں۔ چونکہ وہ ایک فریق کی حیثیت میں ہیں اس لیے ان کی بات کیسے مان لی جائے۔

جواب: لیکن آپ کے سامنے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث کون پیش کرتا ہے جو حدیث شیعہ کے مقابلے میں پیش کی جا رہی ہے وہ تو اصول کافی کی حدیث ہے جس کے راوی حضرت امام جعفر صادق ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: انبیاء کرام کسی کو ورثہ و دیار کا وارث نہیں بناتے۔ (کافی)

لہذا حدیث زیر بحث کو آپ کو یہ کہہ کر نظر انداز کرنے کا حق ہی نہیں ہے کہ یہ تو ابو بکر کی روایت کردہ حدیث ہے۔ کیونکہ مخالف کے سامنے اسی کی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

ثانیاً۔ یہ بھی غلط ہے کہ اس حدیث کے راوی صرف حضرت ابو بکر ہیں۔ کیونکہ اس حدیث کو حضرت صدیق کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ کرام مثلاً علی رضی، فاروق اعظم، عثمان غنی، حضرت عباس، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، ابو دروداء، حذیفہ ایسے جلیل القدر صحابہ نے روایت کیا ہے۔ نیز حضرت صدیق نے مجمع صحابہ میں اس حدیث کو پیش کر کے اور قسم دے کر اس کی تصدیق کرائی ہے۔ ان میں حذیفہ تو وہ ہیں جن کے متعلق علامہ عبد اللہ شمس الدین نے اظہار الحق میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ:-

حذیفہ تم سے جو حدیث بیان کرے اس کو تسلیم کرو۔

ما حدَّثکم بہ حدیفتہ
فصدّوا۔

حضرت علی سے بڑی شخصیت شیعہ کے نزدیک اور کون ہو سکتی ہے جن کو شیعہ معصوم جانتے ہیں۔ غرضیکہ اس حدیث کو صحابہ کی ایک کثیر جماعت روایت کر رہی ہے۔ حالانکہ ان میں سے صرف ایک کا روایت کرنا مفید یقین ہے۔ پھر سب میں بڑی بات یہ ہے کہ یہ کتب صحاح شیعہ میں موجود ہے۔ ایسی

صورت میں حدیث ہذا کی صحت میں کوئی شک ہی نہیں رہتا۔

اعتراض سوم: یہ حدیث احاد ہے اور خبر احاد حجت نہیں ہوتی۔

جواب: اول تو یہ ہی غلط ہے کہ خبر احاد حجت نہیں ہوتی۔ یہ حدیث جس میں ہم بحث کر رہے ہیں متواتر المعنی ہے۔ درہم از کم مشہور ضرور ہے۔ کیونکہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت روایت کر رہی ہے۔ جب یہ حدیث متواتر المعنی ہے یا کم از کم مشہور تو ضرور ہے۔ کیونکہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت روایت کر رہی ہے۔ جب یہ حدیث متواتر المعنی ہے یا کم از کم مشہور تو ضرور ہے اور مشہور سے قرآن پر زیادتی بھی جائز ہے۔ اس کے علاوہ ہم ایک اصولی بات یہ بھی بتا دیں کہ اگر بالفرض اس حدیث کے راوی صرف ابو بکر ہی ہوں تو بھی یہ حدیث ان کے حق میں متواتر بلکہ متواتر سے بڑھ کر ہی رہتی ہے۔ کیونکہ شیعہ گسٹی دونوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ متواتر اور غیر متواتر کی تقسیم ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے حضور اکرم کو دیکھا نہیں اور کسی صحابی سے حدیث روایت کر دی۔ لیکن جس شخص نے بلا واسطہ حضور اکرم سے حدیث سنی ہو تو اس کے حق میں وہ متواتر سے بھی بالاتر ہوتی ہے۔ چونکہ حضرت ابو بکر نے یہ حدیث خود بلا واسطہ حضور سے سنی تھی، اس لیے ان کو واجب تھا کہ اس پر عمل کرتے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اعتراض چہارم: تاریخ الخلفاء میں ہے کہ جب میراث کا جھگڑا چلا تو اس کے متعلق کسی کے پاس سے کوئی حدیث نہ ملی۔ صرف ابو بکر نے ہی اس حدیث کو بیان کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس حدیث کے راوی صرف ابو بکر ہی ہیں۔

جواب: تاریخ الخلفاء ایک تاریخی کتاب ہے اس میں جو واقعات درج ہیں وہ قرآن و حدیث کی طرح نہیں ہیں۔ بر تقدیر صحت اس کے معنی یہ ہیں کہ اس حدیث کا اظہار سب سے پہلے ابو بکر نے کیا اور یاد دلانے پر سب کو یاد آ گئی۔ جس سے حضرت ابو بکر کا علم و حفظ ہونا بھی ثابت ہوا۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ جب حضرت ابو بکر و عمر نے مجمع صحابہ سے اس حدیث کے متعلق قسم دے کر استفسار کیا تو سب نے یہی کہا کہ حضور نے یہی فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ جن میں حضرت عباس اور علی اور ان کے علاوہ ازواج مطہرات اور بہت سے جلیل القدر صحابہ تھے جنہوں نے اس کی تصدیق کی۔ ایسی صورت میں صرف ابو بکر کو اس

حدیث کا راوی کہنا بے علمی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اعتراض پنجم: اس سلسلہ میں آخری اعتراض یہ کرتے ہیں۔ کافی میں یہ حدیث ابو البختری سے مروی ہے جو سنی ہے اور ہمارے کتب رجال میں اس کو کذاب کہا گیا ہے اس لیے مرفوع ہے۔
جواب: شعبی علماء کی یہ عادت ہے کہ جواب نہ بن پڑے تو یہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ تو سنی ہے۔ جیسا کہ لغت حریر کے حوالہ میں ابو حنیفہ کو سنیوں کا ابو حنیفہ کہہ دیا تھا۔ بخیر اس کا جواب یہ ہے ابو البختری نامی دو ہیں۔ ایک ابو البختری ذئب بن فہب۔ یہ شیعہ ہے۔ دوسرا ابو البختری سعید بن فیروز ہے جو سنی ہے۔ مصنف کافی نے شیعہ ہی سے روایت کی ہے۔
ثانیاً۔ دوسری روایت میں جو کافی میں ہے۔ اس میں ابو البختری کا نام ہی نہیں ہے اور اس میں تو سب کے سب شیعہ راوی ہیں۔ آپ اس کو لے لیجئے اور دوسری کو چھوڑ دیجئے۔ الغرض اصول کافی میں یہ لفظ موجود ہیں۔

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ وہ وہم و
دنیار میں کسی کو وارث بناتے ہی نہیں
وہ تو صرف اپنی احادیث میراث میں
چھوڑتے ہیں۔

ان العلماء ورثة الانبیاء۔
لم یورثوا دسرها ولا دینارہا
انما اورثوا احادیثہم
احادیثہم۔

اور کلام انما جو حصر کے لیے ہے اس سے واضح ہو رہا ہے کہ انبیاء کی میراث صرف علم دین ہے۔
مال نہیں ہے۔ ایسے صاف و صریح مسئلہ کے ہوتے ہوئے بھی کوئی نہ مانے تو اس کا علاج کچھ نہیں ہے۔
مگر نصوص سے آفتاب کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ انبیاء اپنی میراث میں مال و دولت چھوڑتے
ہی نہیں اور ان کی میراث صرف علم ہوتا ہے! ایسی صورت میں غصب فدک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
میں امید ہے کہ منصف حضرات ان تصریحات پر غور فرما کر حق کو قبول کرنے سے گریز نہ کریں گے۔
اس سلسلہ میں شیعہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ فدک مال
مال فنی میں راشت جاری نہیں ہوتی | فنی سے تھا اور اس میں حضور اکرم کا حصہ بھی تھا۔ تبیذ
فاطمہ نے یہ ہی طلب کیا اور ابو بکر نے دینے سے انکار کر دیا۔

جواب: اگر فدک کا مال فنی ہوتا شیعہ حضرات کو تسلیم ہے اور حقیقت بھی یہی ہے، تو

اس کا فیصلہ بہت آسان ہے۔ کیونکہ مال فہی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اور فہی کے مصارف خود قرآن نے بیان کر دیے ہیں۔

جو ہاتھ لگا دے اللہ تعالیٰ (بغیر جگہ) کے اپنے رسول کو بستی والوں سے تو وہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور رشتہ داروں، یتیموں

لَمَّا آفَاةَ اللَّهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَذَوِي السَّبِيلِ (سورہ حشر)

اور مسافروں کے لیے ہے۔

یہ آئیے مبارکہ اپنی تفسیر خود ہی بیان کر رہی ہے کہ مال فہی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا، بلکہ یہ وقف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تولیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے عطا فرمائی تھی کہ حضور اس کی آمدنی کو یتیموں، مسکینوں، محتاجوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری میں صرف فرمائیں۔ لہذا جب مذک مال فہی سے تھا اور یہ حضور کی ذاتی ملکیت میں نہ تھا بلکہ آپ کی تولیت میں تھا تو مال وقف میں میراث جاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثامناً۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر اس آیت میں تقسیم سے مراد ہی تقسیم ہوتی ہے جو شیوخ حضرات کہتے ہیں تو پھر نزول آیت کے بعد حضور اکرم کا یہ فرض تھا کہ آپ اپنی حیات ہی میں اس کو تقسیم فرما دیتے۔ لیکن شیعہ سنی دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ حضور اکرم نے اپنی حیات مبارکہ میں مذک تقسیم کیا اور نہ کسی کو اس پر قبضہ دیا۔ بلکہ آپ اس کی آمدنی کو مصارف مذکورہ پر خرچ فرماتے رہے یعنی مذک کے باغ سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو حضور اپنی ذات پر ازواج مطہرات اور بنی ہاشم پر غریبوں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ فرما دیتے تھے۔ جو اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ مذک کسی کی ملکیت نہیں تھا بلکہ وقف تھا۔ لہذا مال وقف میں میراث کیسے جاری ہو سکتی ہے۔

ثانیاً۔ اگر یہ کہا جائے کہ لام للرسول میں تنہیک کے لیے ہے تو اس کا جواب یہ ہے۔ اگرچہ لام تنہیک کے لیے بھی آتا ہے۔ مگر بیان تنہیک کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس امر کے اظہار کے لیے ہے کہ اس مال فہی کے متولی حضور اکرم ہیں اور آپ کو تقسیم کا اختیار کل ہے۔ اسی لیے اس آیت کے بعد فرمایا:-

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ

رسول جو کچھ تم کو دے گا اس کو قبول کرلو

اس کے بعد قرآن پاک نے یہی تصریح کی کہ یہ مال فہی وہ مال ہے جو اللہ نے اپنے خاص فضل

سے رسول کو عطا فرمایا ہے۔ اس میں مجاہدین کی کوششوں کو کچھ دخل نہیں ہے

أَفَاءَ اللَّهِ مَعَ رَسُولِهِمْ

جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو

فَمَا أَزِفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَبَلٍ

ان سے تو تم نے ان پر نہ اپنے گھوڑے

وَلَا ذِكَاپٌ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ

وڈڑائے اور نہ اونٹ۔ ان اللہ قابو میں

عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ

دے دیتا ہے اپنے رسولوں کے جسکو چاہتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مال فہی وہ مال غنیمت ہے جو بلا جنگ و جدال ہاتھ آتا ہے

اور اس کے مصرف خود قرآن نے بیان کر کے یہ بتا دیا کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وقف ہوتا ہے۔

کیونکہ اگر یہ مال رسول اکرم کی ملکیت میں دیا جاتا تو محتاجوں اور مسافروں کو اس میں شامل نہ کیا جاتا۔ دوسری

بات یہ ہے کہ اگر لام للرسول میں تنہیک کے لیے ہے تو ولذی القربی والیتامی والمساکین میں بھی

تنہیک کے لیے ہونا چاہیے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بہر حال فق مال فہی سے ہے اور مال فہی

وقف ہوتا ہے اور وقف میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ لہذا فہی کی آڑے کر سیدنا صدیق اکبر پر چڑھیں کیا

گیا ہے وہ بھی رفع ہو گیا۔

شیعہ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر انبیاء

کا مال ترکہ تقسیم نہیں ہوتا تو حضرت داؤد کے

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ کا جواب

حق میں قرآن نے کیوں فرمایا:-

وارث ہوئے سلیمان داؤد کے

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ

معلوم ہوا کہ انبیاء کی میراث جاری ہوتی ہے۔ جواب: اس آیت میں نبوت و بادشاہت

کی وراثت مراد ہے۔ کیونکہ حضرت سلیمان کو وراثت علمی ملی تھی مال نہیں۔ چنانچہ اس کے لئے لائل یہیں

اولاً اہل تاریخ کا اجماع ہے کہ حضرت داؤد کے تقریباً ۹۰ فرزند تھے اور قرآن نے یہ بتایا

کراں میں سے صرف حضرت سلیمان کو میراث ملی اور باقی افراد محروم رہے تو اگر یہاں میراث سے مالی میراث مراد ہوتی تو ان کے تمام فرزندوں کو ملتی چاہیے تھی۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ یہاں میراث سے علم اور نبوت مراد ہے جو حضرت سلیمان کو تو ملی مگر ان کے دوسرے بھائی محروم رہے۔

ثانیاً۔ یہاں اگر میراث سے مالی میراث مراد لی جائے تو کلام الہی کا لغویت پر مشتمل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر بھائی اپنے باپ کی میراث پاتا ہے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی خصوصیت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ ایسی صورت میں قرآن کا یہ خبر دینا کہ سلیمان داؤد کے وارث ہوئے بالکل لغو ہے۔ اور کلام الہی لغویت سے پاک ہوتا ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ اس آیت میں میراث علمی ہی مراد ہے۔

ثالثاً۔ اس آیت میں حضرت سلیمان کے فضائل و مراتب کا اظہار کیا گیا ہے۔ اگر اس سے مراد وراثت مالی ہو تو یہ کوئی تفصیلت کی بات نہیں ہے۔ میراث تو آخر سبھی کو ملتی ہے۔ اس میں حضرت سلیمان کی کیا خصوصیت ہے۔ اس لیے یہاں میراث سے مراد علمی میراث ہی ہے۔ اور اسی بات کو قرآن نے مقام مدح میں بیان کر کے اس کا اظہار کیا ہے کہ حضرت داؤد کے ۱۹ بیٹوں میں سے یہ شرف صرف حضرت سلیمان ہی کو حاصل ہوا کہ وہ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور انھوں نے اپنے والد داؤد کی میراث نبوت کو پایا۔ چنانچہ آیت زیر بحث کے آخری جملے ان لفظوں الفصل المبین کی تفسیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے نبوت اور بادشاہت سے کی ہے۔ (تفسیر صافی جلد دوم ص ۵۷) امام جعفر کی اس تفسیر سے واضح ہوا کہ اس آیت میں نبوت و بادشاہت کی میراث مراد ہے۔ مالی میراث مراد نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی تائید آیت سے بھی ہوتی ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَهْطِقَ الطَّيْرِ۔	وارث ہوئے سلیمان داؤد کے۔ پھر کہ سلیمان نے اسے لوگو! ہمیں جانور کی بول سکھائی گئی ہے۔
--	---

اور اللہ نے ہمیں ہر چیز کا علم دیا ہے۔ آیت کا چرچہ بھی اس امر پر دلیل قاطعہ ہے کہ حضرت سلیمان نے داؤد کی میراث میں علم اور نبوت ہی پایا تھا۔

والجاء۔ قرآن پاک میں وراثت کے لفظ کا علم کی میراث میں استقلال ہونا بالکل ظاہر ہے۔
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- (حکایت عن زکریا)

<p>مجھے اپنے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے اور میری عورت بانجھ ہے۔ تو مجھے اپنے پاس سے ایسا دے ڈال جو میرا کام اٹھائے وہ میرا جانشین ہو، اور اولاد یعقوب کا وارث ہو۔</p>	<p>وَاتَّقِ خِيفَتُ الْعَزَازِ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرْثُنِي وَيُورِثْ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔</p>
--	---

دیکھیے حضرت زکریا دعا کرتے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد میرے قرابت دار چونکہ شریعہ میں
 وہ دین میں رخصت وال دیں گے اور میری تعلیم جاری نہ رہ سکے گی تو اسے رب مجھے ایسا بیٹا عطا فرما، جو
 میرا وارث اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ یہاں بھی وراثت سے علم و نبوت ہی مراد ہے۔ کیونکہ
 حضرت زکریا حضرت یعقوب سے دہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔
 کیا ہزار ہا سال سے بنی اسرائیل کی جائیداد غیر منقسم ٹپسی تھی جس کی وراثت حضرت یحییٰ کو ملنی تھی؟
 اور کیا انبیاء کرام کا اپنے جانشین کے لیے دعا مانگنا مال کی وراثت کے لیے ہوتا ہے۔ پس ثابت
 ہوا کہ یہاں بھی وراثت سے علمی وراثت ہی مراد ہے۔

خاصاً۔ اس امر کی توثیق شیعہ روایت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں ہے
 امام جعفر صادق نے فرمایا :-

<p>کہ حضرت داؤد انبیاء کے علم کے وارث ہوئے اور سلیمان داؤد کے اور محمد سلیمان کے وارث ہوئے اور ہم لوگ وارث ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے۔</p>	<p>قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ إِنَّ دَاوُدَ وَرِثَ عِلْمَ آلِ نَبِيِّهِ وَإِنَّ سُلَيْمَانَ وَرِثَ دَاوُدَ وَإِنَّ مُحَمَّدًا وَرِثَ سُلَيْمَانَ وَإِنَّا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا۔</p>
--	--

حضرت امام جعفر نے تو فیصلہ ہی فرمادیا کہ حضور اکرم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے۔ ظاہر ہے
 کہ حضور اکرم کو حضرت سلیمان کی میراث میں کوئی مال نہیں ملا تھا۔ بلکہ علم اور نبوت ہی ملی
 تھی۔ حضور اکرم حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں اور حضرت سلیمان حضرت اسحاق کی۔ جس کا نقشہ یہ ہے۔

کہہ کر ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی قبول نہیں ہوتی، دعویٰ خارجی کر دیا تھا۔

جواب: جناب سیدہ کی طرف سے یہ کاد دعویٰ کرنا اور اس پر علی و ائمہ اہلین کا گواہی دینا اہلسنت کی معتبر کتاب میں باسند صحیح موجود نہیں ہے۔ یہ تو حضرات شیعہ نے ایک فرضی افسانہ تصنیف کیا ہے جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ کوئی پاؤں اور جب تک کتب اہل سنت کی صحیح روایت سے یہ بات ثابت نہ ہو اس وقت تک اس فرضی افسانہ کے جواب کی ہم فریاد نہیں عالم ہوتی اور جب یہ افسانہ ہی فرضی ہے تو اس کی بنیاد پر حضرت صدیق اکبر پر جو بھی الزام قائم کیا جائے گا وہ خود بخود باطل ہو جائے گا۔ خیر یہ تو ہے اصولی جواب۔

ثانیاً۔ شرح ابن الحدید جو شیعہ کی معتبر مذہبی کتاب نہج البلاغہ کی شرح ہے اس میں ایک ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب سیدہ نے فدک طلب کیا تو حضرت ابو بکر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان، تم میرے نزدیک صاوتہ اور ابیہ ہو۔

اگر حضور نے تم سے فدک کے معاملے میں کوئی عہد یا وعدہ کیا تھا تو میں اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اور فدک تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تو سیدہ نے فرمایا حضور نے مجھ سے فدک کے معاملے میں کوئی عہد نہیں فرمایا۔

قَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ لَمَّا طَلَبَتْ فِدَكَ
بَابِي وَأُمِّي أَنْتِ الصَّادِقَةُ الْأَمِينَةُ
عِنْدِي إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاهَدَ إِلَيْكَ عَهْدًا
وَوَعَدَكَ وَعْدًا أَصَدَّ قِتْلَكَ وَسَلَّمَكَ
إِلَيْكَ فَقَالَتْ لَمْ يُعْهِدْ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ.

(شرح ابن الحدید)

اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ یہ فدک کا جو افسانہ تصنیف کیا گیا ہے وہ خالص جھوٹ پر مبنی ہے۔ جب سیدہ خود فراموشی میں کہ فدک کے متعلق حضور نے مجھ سے کوئی عہد اور وعدہ نہیں کیا تو ایسی صورت میں یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ سیدہ نے یہ فدک کاد دعویٰ کیا تھا۔ معلوم ہوا یہ افسانہ ہی سرے سے جعلی اور فرضی ہے اور اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ فدک کے متعلق حضور نے وصیت بھی نہیں فرمائی تھی۔ اگر وصیت کی ہوتی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوراً اس کا اظہار فرمادیتیں۔ ثالثاً فدک حضور نے سیدہ کو نہیں کیا کتب اہل سنت میں ایسی کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے

کسی نے یہ فذک کا دعویٰ فرمایا۔ اس کے برعکس مشکوٰۃ میں یہ روایت موجود ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز حاکم ہوئے تو انہوں نے مروان کے رشتہ داروں کو جمع کر کے کہا کہ فذک حضور کے قبضہ میں تھا۔ حضور اس کی آمدنی کو اپنی ذات پر، بنی ہاشم کے صغیروں پر خرچ فرماتے تھے اور بے شوہر عورتوں کے نکاح بھی اس کی آمدنی سے کر دیتے تھے۔

وَرَأَى فَاطِمَةَ سَأَلَتْ أَتَى
يَجْعَلُهَا فَاَنًى

اور تحقیق سیدہ فاطمہ نے یہ درخواست
کی کہ حضور فذک انہیں عطا فرمادیں
تو حضور نے انکار کر دیا۔

ابوداؤد۔ مشکوٰۃ ص ۵۵

پھر جب حضور کا وصال ہو گیا تو حضرت ابو بکر و عمر نے فذک میں وہی عمل کیا۔ جو حضور کیا کرتے تھے۔
حتیٰ کہ اب یہ فذک مجتہد تک پہنچا ہے۔ حضور نے فذک فاطمہ کو نہ دیا تو جو چیز حضور نے فاطمہ کو نہ دی تھی
بھی اس کو اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہیں۔

میں تم سب کو گواہ کرتا ہوں کہ میں فذک
کو (مروان کے رشتہ داروں سے
واپس لے کر اسی حالت میں واپس
کرتا ہوں جس حالت میں حضور کے ہاتھ میں تھا۔

وَأَنَّى أَشْهَدُكُمْ أَنِّي رَدَدْتُهَا عَلَى
مَا كَانَتْ بَعْنَى عَلَى عَهْدِ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
(مشکوٰۃ بالفتح)

غرضیکہ کتب صحاح اہل سنت میں یہ فذک کی کوئی روایت ہی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں شیعوں
کا اپنی مذہبی کتب سے روایات پیش کر کے ہم پر الزام قائم کرنا اصولِ مناظرہ کے خلاف ہے۔
پھر اس پر مزید یہ کہ ہم نے شرح نہج البلاغۃ کے حوالہ سے جو روایت پیش کی ہے اس میں یہ ہے
کہ حضور نے سیدہ سے فذک کے متعلق کوئی وعدہ یا عہد فرمایا ہی نہیں تھا۔

رابعاً۔ اگر بالفرض والہال تسلیم کر لیا جائے کہ حضور نے سیدہ کو فذک ہب کر دیا تھا تو اس
دعویٰ کے ثبوت کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری تھی۔ جیسا کہ قرآن
کا حکم ہے۔ لیکن جناب سیدہ نے شہادت کا نصاب کامل پیش نہیں فرمایا۔ ایسی صورت میں
فیصا سیدہ کے حق میں کیسے ہوتا۔ حضرت ابو بکر حکم قرآن مجبور تھے۔ بتائیے اس میں ان کا کیا قصور
ہے۔ اگر انھوں نے دعویٰ رد بھی کر دیا تو قرآن کے حکم کے مطابق کیا۔ اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کیا۔

خاصاً۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ فدک سیدہ کو ہبہ تھا۔ تو یہ سیدہ شیعہ سنی دونوں کا متفقہ ہے کہ جب تک مہربوب پر مہربوب لا کا قبضہ نہ ہو جائے اس وقت تک ہبہ تمام نہیں ہوتا۔ مثلاً زید نے ایک قطعہ زمین بکر کو ہبہ کر دیا، مگر قبضہ مالکانہ نہ دیا۔ اب زید مر جائے اور بکر ہبہ کا دعویٰ کرے تو بکر کا یہ دعویٰ باطل ہوگا۔ یہ ہی صورت فدک کی ہے اور شیعہ سنی دونوں متفق ہیں کہ فدک کو حضور کے اپنی حیات مبارکہ میں اپنے قبضہ و تصرف ہی میں رکھا۔ اور کسی کو اس کا قبضہ نہیں دیا۔ جب یہ امر مسلم ہے تو حضرت ابو بکر نے بھی یہی فرمایا کہ مجھ کو ہبہ و صلہ ملکیت نہیں بن سکتا۔ تاوقتیکہ تصرف اور قبضہ ثابت نہ ہو جائے۔ اور سیدہ نے یہ ثابت نہیں فرمایا کہ فدک حضور کے اپنی حیات میں میرے قبضہ و تصرف میں دے دیا تھا۔ بتائیے اس میں حضرت ابو بکر نے کیا ظلم کیا۔ کیا قانون اسلامی عمل کرنا جرم ہے؟ کیا قانون اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنا ظلم ہے؟ اس مسئلہ کو سمجھ لینے کے بعد اب اس پر غور کیجئے کہ اگر بالفرض سیدہ نے دعویٰ فرمایا کہ

۱۔ فدک حضور نے مجھے ہبہ کر دیا تھا۔

۲۔ حضرت علی و ائمہ اہل بیت نے بالفرض گواہی دے دی کہ میں ہبہ کیا تھا۔

(سیدہ کے دعویٰ کے لفظ ذہن میں رکھیے)

۳۔ لیکن سیدہ نے یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ حضور نے ہبہ کرنے کے بعد فدک میرے قبضہ و تصرف میں دے دیا تھا۔ اور گواہان نے بھی اس امر کی گواہی نہ دی۔

ایسی صورت میں شیعہوں کا یہ کہنا کہ حضرت ابو بکر نے گواہی رو کر دی یہ ایک غلط بات ہے۔ کیونکہ گواہی کو روکنا اور چیز ہے اور گواہی پر فیصلہ دینا اور بات ہے۔ بعض اوقات گواہ جس بات کی گواہی دے رہے ہوں وہ واقعہ کے بالکل مطابق ہوتی ہے۔ مگر قاضی اس پر فیصلہ دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اور انصاف کیجئے۔ حضرت ابو بکر نے سیدہ کے دعویٰ یا گواہوں کی گواہی کو رد نہیں کیا اور یہ نہیں فرمایا کہ سیدہ تم اور تمہارے گواہ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ آپ نے تو ایک قانونی نکتہ سامنے رکھ کر سیدہ سے یہ فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ حضور نے فدک آپ کو ہبہ کر دیا تھا۔ مگر قانون یہ ہے کہ ہبہ قبضہ و تصرف کے بغیر تمام نہیں ہوتا۔ اور آپ صحت ہبہ کا دعویٰ فرماتی ہیں قبضہ و تصرف کا نہیں؟ ایسی صورت میں آپ کے حق میں کس طرح فیصلہ دے دوں

اور اسلام کے قانون کو کیسے پس پشت ڈال دوں ۔

الغرض اس بات پر شیہ سنی دونوں متفق ہیں ۔

۱۔ حضور اکرم نے اپنی حیات میں مذک اپنے ہی قبضہ میں رکھا تھا۔ اور آپ خود اس کی آمدنی سے خرچ فرماتے تھے ۔

۲۔ مذک حضور کی حیات مبارکہ میں جناب سیدہ کے قبضہ تصرف میں نہیں تھا ۔

۳۔ جب تک مہرب چیز مہرب لا کے تصرف میں نہ دے دی جائے اس وقت تک ہر تمام نہیں ہوتا ۔

جب یہ باتیں دونوں فریق کے نزدیک مسلم ہیں تو اب صدیق اکبر طعن کا کوئی جواز ہی باقی نہ رہا۔ کیونکہ ابوبکر نے قانون اسلامی پر عمل کیا اور جناب سیدہ سے فرما دیا کہ آپ کا دعویٰ تو صحیح ہے مگر یہ قانون ہے اس لیے اب آپ ہی بتائیے کہ فیصلہ آپ کے حق میں کیسے کر دیا جائے ۔

حضرت فاطمہ کی ناراضگی ؟ اگرچہ مذکورہ بالا تحریر سے مذک کا ہر پہلو ٹھیک لگا ہے اور ایک منصف کے لیے تو یہ گنجائش ہی نہیں رہی ہے کہ وہ ان حقائق کے بگڑنے سے متضرعین کا آخری وار ۔ ہوئے سیدنا صدیق اکبر پر کسی قسم کا طعن کرے ۔ مگر آخر میں ہم اس کے

متعلق مزید گفتگو کرنا چاہتے ہیں تاکہ حق واضح ہو جائے ۔ شیوخ حضرات جب ہر طرح سے لاجواب ہو جاتے ہیں تو پھر سب سے بڑا اور سب سے اہم یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ ابوبکر کا جواب سن کر سیدہ ناراض ہو گئیں اور جب تک زندہ رہیں ابوبکر سے کلام نہیں کیا ۔ اور جب ان کا انتقال ہوا تو جناب امیر نے رات کو ان کو دفن کر دیا اور ابوبکر کو اس کی اطلاع بھی نہ دی ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کتب صحاح اہل سنت میں جناب سیدہ کی زبان سے ان کا ناراض ہونا ہرگز ہرگز منقول نہیں ہے ۔ ناراضگی دل کا فعل ہے جب تک زبان سے ظاہر نہ ہو دوسرے شخص کو اسکی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی ۔ البتہ قرائن سے دوسرا شخص قیاس کر سکتا ہے ۔ مگر ایسے قیاس میں غلطی ہو سکتی ہے تو جب سیدہ کی زبان سے ابوبکر کی شکایت ثابت ہی نہیں ہے

تو پھر اعتراض کیا ؟

ثانیاً۔ بخاری کی جس روایت سے یہ شبہ پیدا کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت سیدہ

نے جناب ابوبکر سے فدک مانگا تو حضرت ابوبکر نے اس کے جواب میں رسول کریم کی حدیث سنائی
 گویا صدیق اکبر نے یہ فرمایا کہ آپ تقسیم فدک کا مطالبہ فرماتی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا
 ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ فدک
 تقسیم کیسے ہو۔ پس یہ ہے وہ زبانی گفتگو جو جناب سیدہ اور حضرت ابوبکر کے درمیان ہوئی۔ سیدہ
 نے حدیث سن لی اور خاموش ہو گئیں۔ حضرت ابوبکر نے حدیث سنانے کے بعد اس پر عمل کرنے کا
 عند فرمایا۔ اس حدیث کی راوی حضرت عائشہ ہیں وہ سیدہ اور ابوبکر کی زبانی گفتگو کو نقل کرنے
 کے بعد اپنے تاثرات اس طرح ظاہر فرماتی ہیں۔

پس ناراض ہوئیں فاطمہ اور اس قصہ
 وراثت میں حضرت صدیق سے گفتگو کرنی
 تک کر دی۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا
 آپ حضور کے بعد چھ ماہ حیات رہیں۔

فغضبت فاطمة وهجرت
 ابا بکر فلم نزل مهاجرة
 حتى توفيت وعاشت بعد رسول
 الله ستة اشهر (بخاری)

بخاری کی دوسری روایت کے لفظ یہ ہیں :-

پھر گفتگو نہ کی حضرت فاطمہ نے فدک کے
 معاملہ میں حتیٰ کہ انتقال کر گئیں۔

وهجرت فاطمة ولم تكلمه
 حتى ماتت۔

بخاری کی دونوں روایتیں ہم نے سن و سُنِ آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ شاید انہیں سے یہ شبہ
 پیدا کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ ابوبکر پر ناراض ہو گئیں اور پھر وفات تک آپ نے ابوبکر سے کلام نہ
 کیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ روایت بخاری سے یہ مفہوم لینا بالکل غلط ہے اور اس کے دلائل یہ ہیں :-

اولے۔ بخاری و مسلم و صحاح کی روایات میں غضبت یا هجرت کے جو الفاظ ہیں وہ حضرت
 سیدہ کی زبان کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور نہ کسی روایت میں یہ مذکور ہے کہ سیدہ نے اپنی زبان مبارک
 سے اظہار ناراضگی فرمایا۔ بلکہ یہ الفاظ راوی کے اپنے تاثرات ہیں جو اس نے واقعات سے اخذ کئے
 ہیں۔ صحاح کی کسی روایت سے سیدہ کا اپنی زبان سے اظہار ناراضگی فرمانا ثابت ہی نہیں ہے۔
 دوم۔ یہ امر مستم ہے کہ راوی حدیث ایک واقعہ سے جو نتیجہ نکالتا ہے اس میں غلطی ہو سکتی
 ہے۔ وہ ظاہر واقعہ ہیں روایت داری کے ساتھ ایک نتیجہ نکالتا ہے۔ مگر ہو سکتا ہے کہ وہ نتیجہ غلط ہو۔

یہاں بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جب راوی نے یہ دیکھا کہ سیدہ نے فدک مانگا اور حضرت ابو بکر
 نے حدیث سنا دی اور حدیث سن کر سیدہ خاموش ہو گئیں اور پھر ابو بکر سے بات نہ کی تو اس نے
 اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت فاطمہ حضرت ابو بکر سے ناراض ہو جانے کی وجہ سے خاموش ہوئی
 ہوں گی۔ چنانچہ اس نے اپنے تاثرات کو انہیں الفاظ میں بیان کر دیا کہ حضرت فاطمہ ناراض ہو گئیں
 حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ خاموش ہو جانا یا ترک کلام کرنا ناراضگی ہی کی بنا پر ہو۔ یہ بھی تو ہو
 سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ حدیث سن کر مطمئن ہو گئیں۔ اس لیے خاموش ہو گئیں۔ اور پھر چونکہ ان کو
 فدک کے معاملہ میں مزید گفتگو کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اس لیے سیدہ نے اس معاملہ میں مزید گفتگو نہ فرمائی
 چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات شیعہ سنی دونوں کے راویان حدیث میں مل جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک
 بار اکثر صحابہ کرام نے حضور کی ایک حالت سے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی
 ہے اور یہ واقعہ مشہور ہو گیا مگر جب فاطمہ علیہ السلام نے حضورؐ سے تحقیق کی تو آپ نے فرمایا میں نے طلاق
 تو نہیں دی۔ دیکھئے مسجد نبوی میں صحابہ کرام جمع ہیں اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ حضورؐ نے طلاق دے
 دی ہے۔ مگر جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نہیں بلکہ صحابہ کرام کا قیاس تھا تو جس طرح
 حضور کی خلوت نشینی سے صحابہ نے یہ قیاس کیا کہ آپ نے طلاق دے دی ہے حالانکہ طلاق نہیں
 دی تھی۔ بلکہ صرف علیحدگی اختیار کی تھی۔ شبیک اسی طرح فدک کے معاملہ میں راوی نے ترک کلام
 اور سیدہ کی خاموشی سے ناراضگی کا استنباط کر لیا حالانکہ واقعہ یہ نہ تھا۔ کیونکہ ترک کلام ایسی چیز نہیں ہے
 جس کی علت ضرور ناراضگی ہو اور پھر حضرت سیدہ کا حدیث سن کر ناراض ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ کون
 مسلمان ہے جو حدیث رسولؐ سن کر ناراض ہو جائے۔ چہ جائیکہ سیدہ ناراض ہوں۔ اور راوی حدیث
 کا کسی واقعہ سے قیاس کرنا اور اس کا قیاس غلط ہو جانا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو راوی کی دانت
 و امانت یا عدالت و تقاضا پر مخرج کر سکے۔ کیونکہ قیاس میں یا اندازہ میں جو غلطی ہوتی ہے اس
 میں غلطی کا قصد نہیں ہوتا۔

غرضیکہ صحاح کی روایت سے جو بات ثابت ہو سکتی وہ صرف اس قدر ہے کہ راوی حدیث کا
 اندازہ ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابو بکر سے ناراض ہو گئیں۔ لیکن ہر علم العقل اور نصف صحت اس
 اندازہ کو قطعی اور یقینی قرار نہیں دے سکتا۔ لہذا ایسی صورت میں صحاح کی روایت سے شیعہ حضرات

یہ شبہ پیدا کرنا کہ سیدہ فقیہا حضرت صدیق اکبر سے ناراض ہو گئی تھیں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ جب صحاح کی روایت سے یہ امر یقین کے ساتھ ثابت ہی نہیں ہے کہ سیدہ صدیق اکبر کے ساتھ ناراض ہوئی تھیں تو ایسی صورت میں صدیق اکبر پر زبان دراز کرنے کی کیا گنجائش ہے۔

سوم۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں چودہ جگہ حدیث مذکور ہے جن میں سے چار مقام ایسے ہیں جہاں ناراضگی مذکور ہے۔ باقی دس مقاموں میں ناراضگی کا تذکرہ ہی نہیں ہے پھر حدیث مذکور اصل صرف تین صحابہ سے مروی ہے۔ حضرت عائشہ، ابوالطفیل، ابوبہرہ، جس میں صرف حضرت صدیقہ سے عروہ بن زبیر کے واسطے سے ابن شہاب زہری جو روایت کرتے ہیں، اس میں ناراضگی کا ذکر ہوتا ہے لیکن ابن شہاب زہری بھی ہمیشہ ناراضگی کا فقرہ نہیں بیان کرتے۔ کبھی بیان کرتے ہیں اور کبھی نہیں۔ چنانچہ ذیل کے مقامات میں ناراضگی کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ زہری اس میں بھی ہیں:-

بخاری جلد اول کتاب الجہاد و باب فرض الخمس۔
بخاری جلد دوم کتاب المناقب باب قرابتہ رسول اللہ۔
بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب غزوہ خیبر۔
بخاری کتاب الفرائض۔

اسی طرح ابوداؤد میں تین جگہ ترمذی میں صرف ایک جگہ اس حدیث کا ذکر آیا ہے۔ مگر وہاں بھی ناراضگی کا ذکر نہیں ہے۔ غرضیکہ چودہ مقامات میں سے صرف چار مقام پر ناراضگی کا ذکر ہے اور وہ بھی حضرت سیدہ کی زبان سے نہیں بلکہ راوی کا اپنا تاثر ہے جس میں غلطی ہو سکتی ہے اور یہ بات بھی ہمارے مذکورہ بالا دعویٰ کی تائید و توثیق کرتی ہے۔

چہارم۔ اصل واقعہ پر دیانتداری کے ساتھ غور کیا جائے تو بھی ہمارے مذکورہ بالا نظریہ کی مزید توثیق ہو جاتی ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے۔ سیدہ نے مذکورہ حدیث سننا وہی حدیث سنانا اور اس پر عمل کرنے کا عہد کرنا کوئی بھی تو ایسی بات نہ تھی جس پر سیدہ ناراضگی کا اظہار فرماتیں خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ حضرت ابوبکر حدیث سن رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ کبر ہے ہیں۔

انصایا کل ال محمد فی هذا المال (مسلم شریف) ہاں فدک کا مال آل محمد پر ہی رہا گا۔

دیکھئے صدیق اکبر فدک کی آمدنی آل محمد پر صرف کرنے سے انکار نہیں فرما رہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں فدک میں میراث تو حکم نبوی کی بنا پر جاری نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کی آمدنی آل محمد پر صرف کی جائے گی جس سے اس شہر کی بنیاد بھی اڑ گئی کہ ابو بکر نے فدک بھنب کر لیا یا سیدہ کو محروم کر دیا بھنب یا محروم کر لینے کا لفظ تو اس وقت بولا جاسکتا ہے جبکہ صدیق اکبر فرماتے کہ۔ ”نہیں فدک تقسیم کرتا ہوں اور نہ اس کا آمدنی آل محمد کو دیتا ہوں“

اگر صدیق اکبر یہ فیصلہ کرتے تو بے شک ان پر الزام آ سکتا تھا۔ مگر انھوں نے تو یہ فرمایا کہ کہ فدک کی تقسیم تو حکم نبوی کی رو سے نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کی آمدنی آل محمد پر صرف ہوگی۔ اور جس طرح حضور اکرم فدک میں عمل کرتے تھے۔ اسی طرح میں بھی کریں گا۔ چنانچہ مسلم کے لفظ ہیں۔

وانی والله لا اغیب شیئاً من صدقۃ	ان بعد فدک جس حال میں رسول کے
رسول الله عن حالها الذی کان	زنا نہ میں تھا میں اس میں قطعاً تغیر
عليها فی عهد رسول الله ولا	نہ میں کروں گا اور چھل رسول کریم صلی
عملن بما عمل رسول الله (مسلم شریف)	اللہ علیہ وسلم کرتے تھے وہی میں کروں گا۔

ان صحت و صریح الفاظ سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت ابو بکر نے فدک کی آمدنی دینے سے قطعاً انکار نہیں فرمایا تو ایسی صورت میں نہ تو غصب فدک کا الزام قائم ہو سکتا ہے اور نہ سیدہ فاطمہ ایسے معقول و حیا کو سن کر ناراض ہو سکتی ہیں کیونکہ حدیث رسول سن کر سیدہ کا ناراض ہونا ہی ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تفسیر فدک میں سیدہ کا ناراض ہونا اور جناب صدیق اکبر کے عمل سے خوش ہو جانا خود کتب شیعہ سے ثابت ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہاں کی دیانتداری ہے کہ ناراضگی کی روایت کو تو اچھالا جائے اور رضامندی کی روایتوں کو چھپا لیا جائے۔ پس جب تفسیر فدک میں سیدہ کا حضرت ابو بکر سے ناراض ہونا اظہر من الشمس ہے تو پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کیا گنجائش ؟

پھر یہ بات بھی بدیہی ہے کہ جناب سیدہ فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کا جناب علیؑ پر ناراض ہونا | علیہا حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ سے بھی ناراض ہو جایا کرتی تھیں

ایک بار نہیں متعدد بار ناراض ہوئی ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کراچی، چنانچہ جلال الدین کے صفحہ ۸۶ پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ جناب سیدہ حضرت علی سے ناراض ہوئیں تو حسن اور حسین اور ام کلثوم کو ہمراہ لے کر اپنے میکے چلی آئیں۔ نہ صرف یہ بلکہ کبھی آپ حضرت علی پر اس قدر شدید طور پر ناراض ہوتی تھیں کہ جناب امیر کو سخت سست بھی کہہ دیا کرتی تھیں۔ جیسا کہ کتاب حقائق کے صفحہ ۱۳۳ پر مرقوم ہے کہ جناب سیدہ نے ایک دفعہ ناراض ہو کر حضرت علی سے یہ جملے کہے تھے۔

مانند جنیں در رحم پر وہ نشیں شدہ و
 مثل خائباں در خادگر بختہ۔

بچہ کی طرح ماں کے پیٹ میں چھپ

گئے اور مثل نارادوں کے گھر میں بیٹھ گئے۔

غرض کہ جناب سیدہ کا علی رضی سے ناراض ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور شیعہ سنی دونوں کی معتبر مذہبی کتب میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے سیدہ کا جناب علی پر ناراض ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ جناب سیدہ کی علی رضی سے جو ناراضگی ہوتی تھی وہ وقتی اور عارضی ہوتی تھی۔ اس کے بعد آپ رضی بھی تو ہر جاتی تھیں، تو ہم کہیں گے کہ اول تو سیدہ کا اپنی زبان سے جناب ابوبکر پر ناراض ہونا ہی ثابت نہیں ہے۔ اور اگر راوی کے تاثر کو صحیح مان کر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئی تھیں تو یہ ناراضگی بھی عارضی اور وقتی تھی کیونکہ شیعہ سنی دونوں کی معتبر کتب سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ سیدہ حضرت ابوبکر سے رضی ہو گئی تھیں تو جب بات یہ ہے تو ایسی صورت میں سیدہ ابوبکر پر طعن کیوں؟

اور اگر بالفرض والہ حال ہم یہ مان بھی لیں کہ جناب سیدہ ابوبکر

کیا سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئیں

پر ہی ناراض ہوئی تھیں تو بھی حضرت ابوبکر پر کوئی الزام قائم نہیں

ہوتا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر نے تو حدیث سنائی تھی جو ان کا فرض تھا۔ اب اگر اس بات پر سیدہ ناراض ہو جاتیں تو ابوبکر کا اس میں کیا قصور ہے۔ کیا حضرت ابوبکر سیدہ کی خاطر حضور سید المرسلین کے حکم پر عمل نہ کرتے؟ حالانکہ یہ حکم رسول طریقہ صحیح سے مل جائے تو اس پر عمل کرنا اور اس کو ماننا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ خواہ وہ اہل بیت سے ہو یا کوئی اور۔ حکم رسول پر تو سب کو گردن جھکا دینا واجب ہے۔ الغرض اگر یہ بات مان لی جائے کہ جناب سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئی تھیں تو ایسی صورت میں تو

خود سیدہ پر الزام آتا ہے کہ وہ حدیث رسول ﷺ کر گڑ گئیں! اور یہ بات سیدہ کی ذات سے ناممکن ہے۔ لہذا ماننا چاہیے گا کہ حضرت فاطمہ حدیث ﷺ کو ناراض نہیں ہو سکتیں اور روایات میں غضب و غصہ کے جو الفاظ آئے ہیں وہ راوی کے اپنے تاثرات ہیں حضرت فاطمہ کی زبان اقدس کے کلمات نہیں ہیں۔

ثانیاً۔ ان تمام بحثوں کو چھوڑ کر فرض کیجئے۔ سیدہ ابوبکر پر ہی ناراض ہوئی۔ مگر سوال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے جب خود حضور سے حدیث لا لورث سنی تھی کہ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے تو حکم نبوی کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر کا کیا فرض تھا۔ آیا ان کو جائز تھا کہ سیدہ کو خوش کرنے کے لیے حدیث رسول کو پس پشت ڈال دیتے۔ ہمارے خیال میں کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ سیدہ کو راضی رکھنے کے لیے ابوبکر کو حدیث پر عمل کرنا چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ جب یہ بات مسلم ہے تو پھر ابوبکر پر کیا الزام؟

ثالثاً۔ یہاں ہم اس امر کی وضاحت بھی کر دیں کہ شیعوں کا کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ جس نے فاطمہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ ہم کہتے ہیں یہ بات حق ہے مگر سوال یہ ہے کہ ایذا کا مفہوم کیا ہے۔ کیا اگر کوئی شخص حدیث پر عمل کرے تو اس سے سیدہ کو حقیقتاً ایذا پہنچ سکتی ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو اگر بالفرض سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئی ہوں تو ان کا فعل تھا۔ ابوبکر نے ان کو ہرگز ناراض نہیں کیا۔ انھوں نے تو صرف حدیث سن کر اس پر عمل کیا تھا اور اس سے حقیقتاً سیدہ کو ایذا نہیں پہنچ سکتی۔ لہذا اس وعید میں ابوبکر کو داخل ہی نہیں کیا جاسکتا۔

رابعاً۔ اگر شیعہ حضرات اس پر اصرار کریں کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ سیدہ ضرور ابوبکر ہی پر ناراض ہوئی تھیں اور فاطمہ کی ناراضگی سے حضور کو ایذا پہنچتی ہے تو ہم کہیں گے ذرا سنبھل کر بات کیجئے اگر شیعوں کے ہاں ایذا کا یہی مفہوم ہے تو حضرت علی بھی اس الزام سے نہیں بچ سکتے۔ اور وہ یوں کہ کتب شیعہ سے اظہر من الشمس ہے کہ سیدہ فاطمہ حضرت علی سے ناراض ہو جایا کرتی تھیں اور اتنی سخت ناراض ہوتی تھیں کہ شدت غضب میں آپ کو برا بھلا کہہ دیتی تھیں (معاذ اللہ) جیسا کہ حق النیقین (شیعوں کی کتاب) کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت علی سے سیدہ کو کوئی ایذا پہنچتی تھی جس سے وہ ناراض ہوتی تھیں۔ تو اگر مطلقاً سیدہ کی ناراضگی سے حضور اکرم کو ایذا پہنچتی ہے تو یہاں بھی سنبھنی چاہیے اور جب بھی اور جس وقت بھی فاطمہ حضرت علی سے ناراض ہوتی ہوں فوراً حضور بھی ناراض ہو جائے چاہئیں۔ پھر اس بنیاد پر جو الزام قائم ہو گا وہی حضرت علی پر بھی عائد ہو جائے گا۔ شیعہ حضرات ذرا اس امر پر انصاف و دیانت

کے ساتھ غوراً برالیں۔

خا اصلاً اگر شیعہ یہ کہیں کہ حضرت علی وفاطہ کی شکر نہی اور ناراضگی اگر ہوئی ہوگی تو وہ عارضی ہوتی تھی۔ یہی میں بعض اوقات ہو جایا کرتی ہے تو اس کے لئے ہمارے پاس دو ثبوت ہی معقول جواب ہیں۔

۱۔ اولے آپ نے تسلیم کر لیا کہ عارضی ناراضگی حقیقی ایذا پر مشتمل نہیں ہوتی ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص حضرت فاطمہ کو حقیقی طور پر ایذا پہنچائے وہ حضور اکرم کو ایذا پہنچانے والا ہے اور یہ بات بدیہی ہے کہ حدیث رسول پر عمل کرنے سے سیدہ کو حقیقی ایذا نہیں پہنچی اور حضرت ابو بکر نے حدیث پر عمل کر کے سیدہ کو حقیقی ایذا نہیں پہنچائی تو نتیجہ یہ نکلا کہ سیدہ حضرت ابو بکر سے حقیقی طور پر ناراض نہیں ہوئیں بلکہ ایسے ہی عارضی طور پر ناراض ہوئیں۔ جیسے حضرت علی سے ہو جایا کرتی تھیں۔

دوم یہ کہ جیسے عارضی طور پر سیدہ حضرت علی سے ناراض ہو جاتی تھیں اور پھر خوش بھی ہو جاتی تھیں۔ تو اسی طرح ابو بکر سے بھی سیدہ عارضی طور پر اس وقت ناراض ہو گئی تھیں مگر بعد میں راضی ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم نے کتب شیعہ سے "فدک کی تاریخ" کے عنوان میں ثابت کیا ہے۔ پس جب فضیہ فدک میں سیدہ کا ابو بکر سے راضی ہو جانا کتب معتبرہ شیعہ سے ثابت ہے تو ایسی صورت میں آپ کوں ہیں جو ابو بکر سے راضی نہ ہوں اور ان پر زبان طعن دراز کریں۔

سوم یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حدیث فضیہ غضبہا کا شان ارشاد یہ ہے کہ ایک دفعہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی لڑکی سے شادی کا ارادہ کیا اور نکاح کا پیغام بھی بے دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے سیدہ کو اس قدر ناگوار ہوئی کہ آپ روتی ہوئی حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں :-

خبردار فاطمہ

الْاِثَّ قَاطِمَةً بِضَعَّةٍ هَتَّيْ كُوْنِيْنِيْ

مَا اَذَاها وَبُوْشِيْ مَا اَرَاكِهَا فَمَنْ

اَغْضَبَهَا اَغْضَبْنِيْ

غور کیجئے! یہ ہی غضاب والی روایت ہے جس کی بنا پر شیعہ حضرات جناب صدیق اکبر پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ لیکن اسی روایت کو اگر کوئی خارجی لے اڑے تو زمین و آسمان کے قلابے ملا کر

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے الزامات قائم کر دیے۔

۱۔ کہ علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کی لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا جو حضور اکرم کا بدترین دشمن اور اسلام کا بدترین مخالف تھا۔

۲۔ حضرت علی کی زوجیت میں دنیا کی عورتوں کی سردار سیدہ فاطمہ زہراؑ تھیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابو جہل کی لڑکی کو پیغام نکاح دے دیا۔

۳۔ حضرت علی کے اس فعل سے سیدہ کو جو صدرِ پیچا اس کا اندازہ بھی وہی عورت کر سکتی ہے جس کا شوہر دوسری شادی کرنے کی فکر میں ہو۔

۴۔ حضرت علی کے اس فعل سے حضور سرورِ کائنات کو کیا صدرِ پیچا ہوگا۔ اس کا اندازہ ہی کر سکتا ہے جس کا داماد دوسری شادی کر کے کا ارادہ کرے۔

غور کیجئے! ایک خارجی بھی اس روایت سے وہی الزامات حضرت علی پر قائم کر سکتا ہے جو شیخ حضرت صدیق اکبر پر قائم کرتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ خارجی کے الزامات سے حضرت علی بڑی ہیں تو اسی طرح شیعہ کے الزامات سے حضرت صدیق اکبر بھی بڑی ہیں۔

ابے لیجئے اس روایت کو جو مسلم شریف میں ہے کہ سیدہ نے وفات پانے تک

لم تکلمہ حتی توفیت | ابو بکر سے بات نہیں کی۔

کہ حدیث سن لینے کے بعد پھر کبھی سیدہ نے جناب صدیق اکبر سے فدک کا مطالبہ نہیں کیا۔ چنانچہ فتح الباری میں ایک روایت کے لفظ یوں ہیں:- کہ پھر سیدہ نے فدک کے معاملہ میں

فلم تکلمہ فی ذالک المال | حضرت ابو بکر سے گفتگو ترک کر دی۔

ثانیاً حضرت صدیق اکبر سیدہ کے محرم نہیں تھے کہ سیدہ ان سے بلا ضرورت شرعی بھی ان سے

کلام کرتیں۔ سیدہ کا حضرت صدیق اکبر سے پردہ تھا۔ اور بلا ضرورت شرعی غیر محرم سے بات کرنا ناجائز

ہے۔ پھر سیدہ فاطمہ عفت و عسنت کا مجسمہ تھیں۔ لہذا ان کا کلام نہ فرمانا ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا

بلکہ اس وجہ سے تھا کہ اول تو حضرت صدیق اکبر غیر محرم تھے۔ دوسرے فدک کے معاملہ میں مزید گفتگو

کی ضرورت ہی نہ تھی اور حضرت ابو بکر فدک کی آمدنی سے ان کے مصارف برابر پورے کرتے

رہے۔ اس لیے سیدہ کو فدک کے سلسلہ میں دوبارہ گفتگو کی ضرورت ہی نہیں ہوئی۔

اب لیجئے مسلم شریف کی روایت کے یہ لفظ :-

مسلم کی روایت

فلما توفیت دفنھا

جب حضرت فاطمہ کا وصال ہوا تو حضرت

زوجہا علی بن ابیطالب لبلا

علی نے ابو بکر کو خبر نہ دی اور رات کو

ولحد یؤذن بها ابابکر۔

آپ کو دفن کر دیا۔

مسلم کی روایت سے شیعوں پر یہ پید کرتے ہیں کہ چونکہ سیدہ نے وصیت کر دی تھی کہ ابو بکر میرے جنازہ میں شریک نہ کیا جائے۔ اس لیے حضرت علی نے وفات سیدہ کی اطلاع ابو بکر کو نہ دی۔ اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ صحاح اہل سنت میں کوئی ایسی روایت ہی نہیں ہے کہ سیدہ نے ابو بکر کے متعلق ایسی کوئی وصیت کی تھی تو اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ حضرت علی نے سیدہ کے انتقال کی خبر کیوں نہیں دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انتقال کی خبر نہ دینا کسی ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا، اور نہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدہ نے ابو بکر کو جنازہ میں شامل نہ کرنے کی وصیت کر دی تھی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو بکر کی زوجہ حضرت اسماء سیدہ کی تیمارداری کے لیے وہاں خود ہی موجود تھیں اور سیدہ کے پہلانے اور کفن وغیرہ کا کام حضرت اسماء ہی کے سپرد تھا۔ حضرت علی نے اطلاع اسی لیے نہیں بھیجی کہ حضرت اسماء نے اول ہی خبر کر دی ہوگی۔

فدک کیا تھا۔ کہاں سے آیا۔ اس کی آمدنی کے مصادر کیا تھے ؟

فدک کی تاریخ

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض قطعات زمین جو مسلمانوں کے حملے کے وقت کفار نے منسوب ہو کر غیر لڑائی کے مسلمانوں کے حوالے کر دیے تھے۔ ان میں سے ایک فدک بھی تھا جو مدینہ منورہ سے تین منزل پر ایک گاؤں تھا۔ اس کی نصف زمین یہودی نے بطور صلح کے دی تھی (۲) اسی طرح سات قطعہ زمین اور تھی جو مدینہ سے ملحق تھی جس کو یہودی نصیر سے حاصل کیا گیا تھا۔ یہ تمام قطعات زمین مع فدک کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حاجتوں کے لیے اپنے قبضہ میں رکھ لیے تھے۔ اسی طرح بعض قطعات خیر تھے جن کی آمدنی سے پانچواں حصہ حضور کو ملتا تھا۔ چھادہیں جو مال غنیمت آتا تھا اس میں بھی حضور کا حصہ مقرر تھا۔ حضور اکرم ان قطعات زمین سے جو آمدنی ہوتی تھی مندرجہ ذیل امور پر خرچ فرماتے تھے۔

۱۔ اپنی ذات مبارک پر۔ اپنے اہل و عیال ازواج و منکرات پر۔ تمام بنی ہاشم کو بھی اسی

آمدنی سے کچھ عطا فرماتے تھے۔

۲۔ مہمان اور بادشاہوں کے جو سفیر آتے تھے۔ ان کی مہمان نوازی بھی اسی سے ہوتی تھی۔

۳۔ حاجت مندوں اور غریبوں کی امداد بھی اسی سے فرماتے تھے۔

۴۔ جہاد کے لیے اسلحہ بھی اسی آمدنی سے خرید فرماتے تھے۔

۵۔ آپ اسی آمدنی سے مجاہدین کی امداد بھی فرماتے تھے۔ جس کو تلوار کی ضرورت ہوتی اس کو تلوار اور جس کو گھوڑے یا اونٹ کی حاجت ہوتی لے دیتے۔

۶۔ اصحابِ صفہ کی خبر گیری اور ان کے مصارف بھی حضور اسی سے پورا فرماتے تھے۔ صدقہ کا جو مال آتا تھا اس سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ آتے ہی فوراً غریبوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ آمدنی ان تمام مصارف کے مقابلہ میں بہت تھوڑی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ازواجِ مطہرات کو شکایت رہتی تھی۔ آپ نے بنی ہاشم کا جو وظیفہ مقرر کیا تھا وہ بھی مناسب تھا۔ حضرت سیدہ فاطمہ آپ کو صد سے زیادہ عزیز تھیں۔ مگر ان کی بھی پوری کفالت نہیں فرماتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان قطعاتِ زمین کی آمدنی حضور مخصوص مدتوں میں خرچ فرماتے تھے اور ان کو آپ نے اپنی ذاتی ملکیت قرار نہیں دیا تھا۔ بلکہ اللہ کا مال اللہ کی راہ میں خرچ فرما دیتے تھے۔ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت صدیق اکبر خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی فدک کی آمدنی کو انہیں مدتوں میں صرف کیا جن میں حضور اپنی حیاتِ مبارکہ میں صرف فرما با کرتے تھے۔

حضرت ابو بکر فدک کی پیلو وار کو لیتے تھے اور جتنا اہل بیت کا خرچ ہوتا تھا ان کے پاس بھیج دیتے تھے اور جن جن کے حضور نے وظیفے مقرر فرما رکھے تھے حضرت صدیق اکبر باقاعدگی کے ساتھ ان کو لے دیتے تھے۔ فدک کی آمدنی خلفائے اربعہ صدیق زناون، عثمان و علی سب نے فدک کی آمدنی انہیں مدتوں میں صرف کی جن میں حضور کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ معاویہ حاکم ہوئے تو امام حسن کی وفات کے بعد مروان نے فدک کے ایک ٹکٹ کو اپنی جاگیر بنالیا۔ پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنے لیے خاص کر لیا اور فدک مروان کی اولاد کے پاس رہا۔ یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز کی حکومت ہوئی تو انہوں نے فدک کو مروان کے رشتہ داروں سے لے کر اسی حالت میں لوٹا دیا جس حالت میں حضور اکرم اور خلفائے اربعہ کے زمانہ میں تھا۔ یعنی انہوں نے فدک کی آمدنی کو انہیں مصروفوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا

جن میں حضور اور خلفاء اربعہ صرف کیا کرتے تھے۔ فدک کے متعلق جو حالات ہم نے درج کیے ہیں
 یہ شیعہ سنی دونوں حضرات کو تسلیم ہیں۔ اس صاف اور سیدھی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاملہ
 کچھ بھی نہ تھا۔ محض بات کا تغلط بنا کر سیدنا صدیق اکبر کو ملعون کیا گیا ہے۔ یہاں ہم خصوصیت
 کے ساتھ چند امور کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں جن سے اس مسئلہ کے سمجھنے میں مزید آسانی ہوگی۔
 اولے۔ فدک کی آمدنی کو جن مصارف میں حضور خرچ کرتے تھے خلفائے اربعہ نے بھی انہیں
 مصارف میں خرچ کیا۔

دوم۔ فدک کسی کی ملکیت نہ تھا۔ صرف اس کی آمدنی کے مصارف مقرر تھے کہ اس کی
 آمدنی فلاں فلاں جگہ خرچ کی جائے۔

سوم۔ خلفاء اربعہ فدک کی آمدنی کو وصول کرتے تھے تو محض وکیل تھے۔ کیونکہ نظام
 حکومت ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے ان کا فرض تھا کہ وہ فدک کی آمدنی کو حضور کے مقرر کردہ
 مصارف میں خرچ کریں۔ چنانچہ خود شیعوں علماء نے اس بات کا اعتراف و اعلان کیا ہے کہ
 حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آمدنی فدک سے حضور کے طریقہ کے مطابق اہل بیت
 کے اخراجات پورے کیا کرتے تھے۔

۱۔ نسخ البلاغہ کی فارسی شرح از علامہ سید علی نقی فیض الاسلام جلد پنجم صفحہ ۹۶ پر اور
 در نجفیہ کے جلد ۳۳ پر ہے۔

ابوبکر غلام و سوداگر فتنہ بقد رکفالت | حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی سے

باہل بیت علیہم السلام مبداء | اہل بیت کا خرچ ان کی ضرورت کے

مطابق دیا کرتے تھے۔ اسی طرح علامہ شمیم بکرانی شرح نسخ البلاغہ جلد ۱۱ پر اور علامہ ابن ابی الحدید
 شرح نسخ البلاغہ جلد دوم صفحہ ۲۹ پر تحریر کرتے ہیں:۔ اور حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی سے

فکان ابوبکر یاخذ غلتھا | اہل بیت کو دیتے تھے جو ان کو

فیذبح الیہم منها ما یکفیہم | کافي ہو جاتا تھا۔

اوسے چار علماء شیعوں کے اعتراف و اعلان سے واضح ہو گیا کہ سیدنا صدیق اکبر نے فدک میں
 وہی عمل کیا جو حضور کیا کرتے تھے۔ آپ نے فدک میں کوئی خیانت نہیں کی۔ نہ اس کو غصب کیا

بلکہ حضور کی مرضی و منشا کے مطابق اس میں عمل فرمایا۔ شیخ حضرات حضرت صدیق اکبر پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے اہل بیت کو فدک سے محروم کر دیا۔ حالانکہ ان کے مقتدر علماء یہ اقرار کر رہے ہیں کہ صدیق اکبر فدک کی آمدنی سے اہل بیت کو اتنا دے دیتے تھے کہ یکفیمہ حوالہ بات کو کافی ہو جاتا تھا۔ غور کیجئے۔ حضرت صدیق اکبر کا فدک کی آمدنی کو اہل بیت پر خرچ کرنا اہل بیت کو فدک سے محروم کر دینا ہے۔

دوسری بات یہ بھی واضح ہوگئی کہ اگر حضرت فاطمہ حضرت صدیق اکبر پر ناراض ہوئیں تو ان کی خدمات کو سرگز قبول نہ فرمائیں۔ آدمی جس سے واقعی ناراض ہوتا ہے اور جس کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اس کی صورت بھی دیکھنا گوارہ نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ گھر کے سارے اخراجات وصول کر لے۔ حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے اخراجات وصول فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت سیدہ صدیق اکبر سے راضی تھیں اور جو عمل صدیق اکبر فدک میں کر رہے تھے، اس سے بھی راضی تھیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو جناب سیدہ صدیق اکبر سے کہہ دیتیں کہ صدیق اکبر فدک تو میرا حق ہے تو اس کی آمدنی سے میرے اخراجات پورے کرنے والے کون! لیکن جناب سیدہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ صدیق اکبر گھر کے خرچ کے لیے جو رقم دیتے تھے اس کو قبول فرمایا۔ جو ان کی رضا مندی کی دلیل ہے۔

چہارم۔ خلفاء اربعہ کے زمانہ سے لے کر حضرت امام حسین تک فدک کی آمدنی بدستور حضور کے مقرر کردہ مصارف میں خرچ ہوتی رہی۔ لیکن حضرت امام حسن کی وفات کے بعد مروان نے اس پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جو نیک اور عادل حاکم تھے انھوں نے اپنے دور حکومت میں مروان کے رشتہ داروں سے فدک کو لے لیا اور اس کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ حضور اکرم اور خلفاء اربعہ کے زمانہ میں اس کی آمدنی خرچ ہوتی تھی۔

یہ ایک حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔
قضیہ فدک میں سیدہ فاطمہ کا راضی ہونا لیکن انیسویں شیخ حضرات اس بات میں انتہائی ڈھٹائی سے کارہے کر اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ مرتے دم تک حضرت ابو بکر سے ناراض رہیں۔ حتیٰ کہ آپ نے وصیت کر دی کہ ابو بکر میرے جنازہ میں بھی شریک نہ کیا جائے۔

یہ ناراضگی اور جنازہ میں عدم شرکت کا قصہ صرف اس لیے تصنیف کیا گیا ہے کہ شیعوں کے زعمِ ظاہر میں حضرت فاطمہ فدک کی وجہ سے آپ سے ناراض تھیں۔ کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے۔ سیدہ فاطمہ حضرت ابوبکر سے راضی تھیں تو شیعوں کے لیے طعن کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ اس لیے ہم فریقین کی کتب سے سیدہ فاطمہ کی رضامندی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

شیعوں کی معتبر اور مشہور ترین کتاب شرح نہج البلاغہ ابن سہیم بحوالہ جلد ۳ صفحہ ۵۴ میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے جب سیدہ کا کلام سنا تو حمد کی درود پڑھا اور پھر حضرت فاطمہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے افضل عورتوں کی اور بیٹی اس ذات مقدس کی جو سب سے افضل ہے۔ میں نے رسول کی رائے سے تجاوز نہیں کیا۔ اور نہیں عمل کیا میں نے مگر رسول کے حکم پر۔ بے شک تم نے گفتگو کی اور بات بڑھا دی۔ اور سختی اور ناراضی کی۔ اب اللہ صحت کرے ہمارے لیے اور تمہارے لیے۔ اور میں نے رسول کے ہتھیار اور سواری کے جانور علی کو سے دیے لیکن جو کچھ اس کے سوا ہے اس میں میں نے سہل کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ ہم جماعت انبیاء نہ سونے کی میراث دیتے ہیں۔

انا معاشر الانبیاء لا نورث ذہباً	نہ چاندی کی نہ زمین کی نہ کھیتی کی
ولا فضة ولا ارضاً ولا عقاراً	اور نہ مکان کی میراث دیتے ہیں لیکن
ولا داراً ولا کتلاً نورث الا ایمان	ہم میراث دیتے ہیں ایمان اور حکمت
والحکمة والعلم والسمة	اور علم اور سنت کی اور عمل کیا میں نے
وعملت بما امرنی ولفحت	اس پر جو مجھے حکم کیا تھا رسول نے
	اور میں نے نیک بیعتی کی۔

اس کے بعد یہ ہے کہ حضرت فاطمہ نے یہ فرمایا کہ حضور نے فدک مجھ کو ہیہ کر دیا تھا جس پر انھوں نے علی اور ام المومنین کو گواہ پیش کیا۔ جنھوں نے گواہی دی۔ پھر عمر آئے۔ انھوں نے اور عبدالرحمن بن عوف نے یہ گواہی دی کہ حضور فدک کی آمدنی تقسیم فرمادیتے تھے۔ اس پر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا۔ تم سب سچے ہو۔ مگر اس کا تفسیر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی آمدنی سے تمہارے

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	گزارے کے لیے رکھ لیتے تھے،
یاخذ من فذک قوتکم ولقیسم	اور باقی جو بچتا تھا اسکو تقسیم فرماتے

الباقي ويحمل فيه في سبيل الله ذلك
 على الله ان اصنع بها كما كان
 يصنع فرضيت بذلك واخذت
 العهد عليه به فكان ياخذ
 غلتها فيدفع اليهم منها ما
 يكفيهم ثم فعلت الخلفاء
 بعد ذلك
 (شرح مجسم مصور ارباب جلد ۳)

تھے اور اللہ کی راہ میں اس میں سے
 اٹھاتے تھے اور میں تمہارے لیے
 اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ فدک میں وہی
 کروں گا جو رسول کرتے تھے تو اس پر
 فاطمہ راضی ہو گئیں اور فدک میں اسی پر
 عمل کرنے کو ابو بکر سے عہد لے لیا اور ابو بکر
 فدک کی پیداوار کو لیتے تھے اور خنبنا
 اہل بیت کا خرچ ہوتا تھا ان کے پاس

بھیج دیتے تھے۔ پھر ابو بکر کے بعد اور خلفائے بھی اسی طرح کیا۔

یہاں یا مترقابل ذکر ہے کہ حضرت سیدہ کی رضامندی والی یہ روایت صرف ابن شہیم ہی نے نہیں بلکہ
 متعدد علمائے شیعہ نے اپنی کتابوں میں ذکر کی ہے جن کے نام یہ ہیں:-

۱۔ در بحفہ شرح نہج البلاغہ مطبوعہ طہران ص ۳۳۲

۲۔ حدیدی شرح نہج البلاغہ جلد دوم جز ۱۶ ص ۲۹۶

۳۔ سید علی نقی فیض الاسلام کی تصنیف فارسی شرح نہج البلاغہ جز ۵ ص ۹۶

رضامندی کی اس روایت سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے:-

اولے: فدک کے متعلق حضور کے طرز عمل اور صدیق اکبر کے طرز عمل میں کوئی تفاوت نہیں تھا۔
 دوم: حضرت فاطمہ صدیق اکبر سے راضی تھیں اور صدیقی طرز عمل آپ کو پسند تھا۔
 قارئین کرام! اللہ انصاف کیجئے! اس روایت سے جو شیعوں کی معتبر مذہبی کتاب کی ہے
 بالکل واضح لفظوں میں یہ ثابت ہو گیا کہ سیدہ فاطمہ صلوات اللہ علیہا تفسیر فدک میں حضرت صدیق اکبر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس فیصلہ سے جو انھوں نے حدیث رسول کے ماتحت کیا راضی ہو گئیں۔
 اور سیدہ نے اس امر کا حضرت ابو بکر سے عہد بھی لے لیا کہ ابو بکر فدک کی آمدنی سے اہل بیت کے اخراجات
 پورے کریں گے۔ ایسی صحت و صریح رضامندی کے بعد بھی شیعہ حضرات جناب صدیق اکبر زبان
 طعن و راز کریں تو اس کا علاج واقعی کچھ نہیں ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ سیدہ کے راضی ہو جانے کے بعد

کسی محب اہل بیت کے لیے تو یہ گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کر سکے۔
البتہ انصافی سے کام لینا دوسری بات ہے۔

سوم: اہل بیت کے اخراجات تمام عمر حضرت صدیق اکبر فدک کی آمدنی سے پورے کرتے رہے۔ اور سیدہ اپنے اخراجات حضرت صدیق اکبر سے وصول کرتی رہیں اور صدیق اکبر کے طرز عمل کو فرماتی رہیں۔

چہارم: نہ صرف صدیق اکبر بلکہ متنبوں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے رہے۔ اور انھوں نے فدک میں وہ طرز عمل اختیار کیا جو حضور علیہ السلام اور ان کے بعد صدیق اکبر نے اختیار کیا۔

شیعوں کی مشہور مذہبی کتاب حق البقیین مطبوعہ ایران
حضرت عمر سے بھی سیدہ راضی تھیں | کے صفحہ ۱ پر ہے: پھر جب حضرت علی وزیر نے

کہ چوں علی وزیر بیعت کر دیا وہاں فتنہ فرو نشست۔ ابو بکر آمد شفاعت از برائے عمر و فاطمہ از و راضی شد۔	بیعت کر لی تو حضرت ابو بکر آئے اور حضرت عمر کے متعلق سفارش کی تو حضرت فاطمہ عمر سے بھی راضی ہو گئیں۔
--	--

اسی طرح طبقات ابن سعد جلد ۲ مطبوعہ ایران کے صفحہ ۱ پر ہے۔ حضرت ابو بکر فاطمہ کے پاس آئے
جبکہ وہ بیمار تھیں۔ انھوں نے اجازت چاہی تو حضرت علی نے کہا ابو بکر دروازہ پر ہیں اگر

جاء ابو بکر الی فاطمہ، حین مرضت فاستأذن فقال علی هذا ابو بکر علی الباب فان شئت ان تأذنی لہ قالت وذلك احب الیك قل نعم وقد خل علیہا واعند	تم چاہو تو ان کو اجازت دے دو۔ حضرت فاطمہ نے کہا کہ تم (علی) اس کو محبوب کہتے ہو۔ علی نے فرمایا: ہاں پس حضرت ابو بکر داخل ہوئے عذر کیا اور فاطمہ حضرت ابو بکر سے راضی ہو گئیں۔
---	---

الیہا وکلہا ورضیت عنہ۔ روایات فریقین سے ظاہر ہے کہ

سیدہ فاطمہ بوقت وفات سیدنا صدیق اکبر سے بالکل راضی تھیں اور کسی قسم کی کسیدگی ان کے دماغ میں نہ تھی۔

شیخ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر سیدہ
حضرت سیدہ کی ناز جنازہ میں حضرت ابو بکر کی شرکت
فاطمہ کے ناز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے اور

اسکی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سیدہ نے وصیت کر دی تھی کہ ابو بکر میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ اس کے جواب میں پہلے تو ہم ایک اصولی بات کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کے جنازہ میں کسی شخص کا بالتخصیص شریک ہونا نہ فرض تھا اور نہ واجب۔ اور اگر بالفرض شیعہ ہر فرد کی شرکت فرض سمجھتے ہیں اور عدم شرکت کو منافی اسلام سمجھ کر شریک نہ ہونے والی زبان طعن و راز کرتے ہیں تو ان کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ ان کی مستند روایات کے مطابق صرف سات آدمیوں نے حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھی چنانچہ شیعوں کی معتبر کتاب جلاء العیون میں کلینی سے روایت ہے۔

حضرت امیر المومنین علی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: صرف سات آدمیوں نے فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھی جن کے نام یہ ہیں۔ ابوذر، سلمان، خدیجہ، عبداللہ بن مسعود، مقداد اور میں ان کا امام تھا۔

از حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ روایت کردہ است کہ ہفت کس بر جنازہ حضرت فاطمہ نماز کردند ابوذر سلمان خدیجہ عبداللہ بن مسعود و مقداد و من امام ایشان بودم (جلاء العیون)

جلاء العیون کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف سات افراد نے سیدہ فاطمہ کے نماز جنازہ میں شرکت کی جو اوپر مذکور ہیں اور مندرجہ ذیل افراد نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔ مثلاً حضرت امام حسن اور حسین، عبداللہ بن عباس، عقیل بن ابی طالب، برادر حقیقی حضرت علی، جعفر بن ابی طالب، قیس بن سعد بن عبادہ، ابوالیوب انصاری، ابوسعید خدری، سہل بن حنفیہ، بلال، صہیب، برادر بن عازب، ابورافع، یہ بارہ افراد ہیں جن کو شیعہ بھی مانتے ہیں۔ اور ان کی جلالت قدر کے قائل ہیں (ملاحظہ ہو حیات القلوب، رجال کشی، رجال نجاشی) تو اب سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت صدیق سیدہ فاطمہ کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے اور یہ بھی فرض کر لیجئے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدہ ان سے ناراض تھیں تو شیعہ ان بارہ حضرات کے متعلق کیا کہیں گے۔ یہ بھی تو سیدہ کے نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔ کیا ان سے بھی سیدہ ناراض تھیں اور کیا سیدہ فاطمہ نے یہ وصیت بھی کر دی تھی کہ میرے نماز جنازہ میں حسن و حسین بھی شریک نہ ہوں جو ان کے لاڑے بیٹے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ جنازہ کی شرکت یا عدم شرکت کو ناراضگی یا رضا مندی کی بنیاد بنانا ہی غلط ہے اور اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت حسن حسین عبداللہ بن عباس اور دیگر افراد کے متعلق بھی یہ کہنا چاہیے گا کہ ان سے حضرت فاطمہ ناراض تھیں، کیونکہ

جلال العیون کی قرایت کے مطابق حیضرات بھی سیدہ کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔ پس ثابت ہوا کہ اگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ بھی جائے کہ حضرت صدیق نے سیدہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تو اس کو حضرت صدیق سے سیدہ کی ناراضگی کی دلیل بنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

اس کے علاوہ شیعوں کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیس کو جناب سیدہ کی خدمت کے لیے چھوڑ دیا تھا اور حضرت اسماء سیدہ کی تیمارداری کی تمام خدمات انجام دیتی تھیں اور شبانہ روزان کے گھر میں مقیم تھیں۔ حضرت فاطمہ نے بوقت وفات نہیں کو غسل دینے، کفن پہنانے اور جنازہ تیار کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ اس کے ثبوت کے لیے کسی کتاب کے حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ واقعات شیعوں کی ہر اس کتاب میں مذکور ہیں جس میں حضرت فاطمہ کی وفات اور تجہیز و تکفین کے واقعات درج ہیں۔ جیسے جلال العیون، تاریخ التواریخ وغیرہ۔ نہ صرف یہ بلکہ کتب شیعہ میں یہ بھی تصریح ہے کہ جب حضرت فاطمہ کو یہ خیال ہوا کہ کپڑے سے عورتوں کا پردہ اچھی طرح نہیں ہوتا ہے تو گوارہ کا مشورہ حضرت ابو بکر کی زوجہ محترمہ ہی سے دیا تھا اور یہ بیان کیا تھا کہ حبشہ میں انھوں نے یہ صورت دیکھی ہے کہ جنازہ پر کڑیاں باندھ کر گوارہ بناتے ہیں چنانچہ اسی صورت گوارہ کو جناب سیدہ نے پسند کیا اور حضرت ابو بکر کی زوجہ محترمہ نے موافق وصیت جناب سیدہ ان کے غسل و تجہیز و تکفین میں شریک ہوئیں۔ اس سچے تاریخی واقعہ سے جو شیعوں کی تمام کتب میں موجود ہے، مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔

اولے: اگر جناب سیدہ حضرت ابو بکر صدیق سے ناراض ہوئیں تو حضرت فاطمہ کبھی ان کی زوجہ محترمہ سے خدمت لینا پسند نہ کریں اور نہ حضرت ابو بکر ہی اپنی زوجہ کو یہ اجازت دیتے کہ وہ شبانہ روز سیدہ کے گھر مقیم رہیں اور ہمہ تن ان کی تیمارداری میں مشغول و مصروف رہیں۔

دوم: بالکل واضح ہے کہ جناب سیدہ حضرت ابو بکر سے قطعاً راضی تھیں اور اسی سے یہ نتیجہ بھی نکلا ہے کہ حضرت ابو بکر کو اپنی زوجہ محترمہ سے سیدہ کے حالات معلوم ہو جاتے تھے۔ یا وہ خود اپنی زوجہ سے پوچھ لیتے تھے۔ یہ بھی نتیجہ نکلا ہے کہ وفات کی اطلاع خصوصی طور پر حضرت ابو بکر کو بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ جب ان کی زوجہ محترمہ سیدہ کی تیمارداری میں مصروف تھیں تو حضرت ابو بکر کو ایک ایک بار کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہوں گے۔ چنانچہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ کی جلد آخر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ گوارہ کی خبر پاکر ابو بکرؓ پوچھنے آئے کہ یہ نئی چیز کیوں بنائی تو حضرت ابو بکرؓ کی زوجہ نے ان کو سمجھا دیا کہ جناب سیدہؓ نے اس کی وصیت کی تھی اور گوارہ کو پسند کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ خاموش ہو گئے۔ ان مذکور بالا امّوں سے واضح ہو گیا کہ سیدہ فاطمہؓ بوقت وفات حضرت ابو بکرؓ سے بالکل راضی تھیں۔ لہذا جنازہ میں ابو بکرؓ کی عدم شرکت بالکل خلاف عقل و عوامی معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا تصریحات سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ضرور سیدہ کے جنازہ میں شریک ہوئے۔

حضرت فاطمہؓ کی نماز جنازہ حضرت ابو بکرؓ نے پڑھی | چنانچہ بخاری یا صحاح کی کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ جنازہ

کی نماز میں شریک تھے۔ بلکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نماز جنازہ کے امام تھے۔ طبقات ابن سعد میں امام حسنؓ و امام نجاشیؓ سے دو روایتیں مویٰ ہیں:-

۱۔ عن الشعبي قال صلى عليها ابو بكر رضي الله تعالى عنه (۲) عن ابراهيم قال صلى ابو بكر الصديق على فاطمة بنت رسول الله وكره عليها الدجا	امام شعبی ابراہیم نے فرمایا کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کی میت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھائی اور انھوں نے نماز جنازہ میں چار گیسری کہیں۔
--	--

ثابت ہو گیا کہ بوقت وفات حضرت ابو بکرؓ سیدہ فاطمہؓ میں کوئی شک و شبہ نہ تھی۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے نماز جنازہ کی نماز کی امامت کی۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی یہ کہنا کہ سیدہ حضرت ابو بکرؓ نے راضی تھیں کہ ان کی میت پڑھائی جائے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کے پاس فدک کے سیدہ فاطمہؓ کے پاس تگاؤں تھے | علاوہ بھی حضور کے سات گائے تھے جن کے نام یہ ہیں:-

دلائل عظام، حسنی، صافیہ، ملام ابراہیم، بیت، برق، چنانچہ فروع کافی کی جلد ثالث میں ہے کہ احمد بن محمد نے امام موسیٰ کاظمؑ سے ان سات باغوں کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا:- میراث نہ تھی بلکہ وقف تھی

۱۔ لا انا كانت وقفا وكان رسول الله ياخذ اليه منها ما ينفق على اصبغها	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے اس قدر لیتے تھے جو مہمانوں کے خرچ
۲۔ فلما قبض جاء العباس بن جراح	کہ کافی ہو۔ پھر جب رسول کا انتقال ہو گیا

فَاطِمَةُ فِيهَا فَتْهَنٌ عَلَى عَلَيْهِ
السَّلَامِ وَغَيْرُهُ الْفَاقِفُ عَلَى
فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ۔

تو عباس ان کی بابت حضرت فاطمہ سے
جھگڑے تو حضرت علی اور دوسروں نے
اس بات کی گواہی دی کہ یہ وقف ہیں فاطمہ پر۔

فروع کا ان جو شیعوں مذہب کی مشہور کتاب ہے اس کی روایت سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔
۱۔ سیدہ فاطمہ کے پاس مذک کے علاوہ حضور اکرم کے سات گاؤں تھے۔ مگر یہ وقف تھے اور حضور اکرم
مہانوں کے لیے ان کی آمدنی سے کچھ لے لیا کرتے تھے (۲) حضور اکرم کے وصال کے بعد حضرت عباس نے ان
میں میراث کا جھگڑا کیا تو جناب سیدہ نے حضرت علی کی گواہی پر ان کو یہ ہی جواب دیا کہ یہ تو وقف ہیں اور
ان میں میراث جاری نہیں ہوگی۔ پس جس طرح حضرت علی کے بیان پر ان سات باغوں میں میراث جاری ہوئی
اور سیدہ نے ان میں سے حضرت عباس کو ایک حصہ بھی نہ دیا تو اسی طرح اگر حضرت ابو بکر کے حدیث
رسول کو نقل کر کے یہ فرمایا کہ مذک میں میراث جاری نہیں ہو سکتی تو کونسا ظلم کیا۔ جب حضرت ابو بکر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم کی حدیث سنا دی کہ انبیاء کے مال میں میراث نہیں ہوتی اور جو مال وہ
چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ پھر حضرت ابو بکر پر کیا طعن ہے۔ کیا ان کو حدیث پر عمل کرنا واجب تھا۔ پس اگر
سیدہ فاطمہ نے مال وقف سے حضرت عباس کو میراث دے کر کوئی جرم نہ کیا تو حضرت ابو بکر نے بھی حدیث
پر عمل کر کے کوئی جرم نہیں کیا۔ اس کے علاوہ یا مگر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت ابو بکر نے سیدہ فاطمہ سے
بغض و عناد کی وجہ سے میراث کی نفی نہیں کی تھی۔ ایسا ہوتا تو آپ ازواج مطہرات اور حضرت عباس
جو حضور کے چچا تھے خصوصاً حضرت عائشہ جو ان کی بیٹی تھیں، ان کو میراث دے دیتے۔ کیونکہ ان سے
آپ کو کوئی بغض نہ تھا۔ ثانیاً۔ اگر خلفاء کا فیصلہ غلط تھا تو حضرت علی اپنے دور خلافت میں میراث جاری
فرما دیتے۔ مگر جناب امیر نے خود مذک میں وہی عمل کیا جو خلفاء نے کیا تھا۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے
کہ صدیق اکبر کا فیصلہ صحیح تھا اور جناب امیر بھی اس کو صحیح سمجھتے تھے۔ اگر وہ غلط ہوتا تو جناب امیر نے
زمانہ میں ضرور اس میں میراث جاری کرتے۔ ثالثاً۔ اگر حضرت صدیق اکبر نے یہ فیصلہ سیدہ کے بغض
و عناد کی وجہ سے کیا تھا تو پھر آپ نے ساری جائداد سیدہ کے حضور کیوں پیش کی۔

حضرت صدیق اکبر کا اپنی جائداد
حضرت ابو بکر نے اپنی جائداد سیدہ فاطمہ کے سامنے پیش کر دی کہ جناب سیدہ کے حضور نہایت

التجاکے ساتھ پیش کرتا اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ صدیق اکبرؓ کو سیدو سے کسی قسم کا عنوان نہ تھا اور میراث حضور اکرمؐ کی حدیث کی بنا پر آپؐ نے منع کی تھی۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب حق الیقین میں ہے کہ جناب سیدہ مطالبہؓ ذک کا ٹیڑھ حکمیں تو خلیفہ اولؓ نے بہت سے مناقب جناب سیدو کے بیان کیے اور بہت معذرت کے بعد یہ کہا ہے۔

<p>اور میرے جملہ سوال و احوال میں تمہیں اختیار ہے۔ آپ جو کچھ چاہیں بلاتا آئے سکتی ہیں۔ آپ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی سردار ہیں اور اپنے فرزندوں کے لیے شجرہ طیبہ میں آپ کی فضیلت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور آپ کا حکم میرے تمام مال میں نافذ ہے</p>	<p>و ا سوال و احوال خود را از تو معائنہ کنی کنم. آنچه خواهی بگیر تو سیدہ امت پدر خودی و شجر طیب از برائے فرزندان خود انکار فضل تو کسی نے تو اندک و در حکم تو نافذ است و ا سوال من. اما و ا سوال مسلمانان مخالفت گشت پدر تو نمیتوانم کرد۔ (حق الیقین ملا مجلسی ص ۲۳)</p>
---	---

لیکن مسلمانوں کے دل میں تمہارے والد ماجد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان واجب الادا جان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

لہذا انصاف کیجئے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ سیدہ فاطمہؓ کے حضور میں التجا کر رہے ہیں کہ میری دولت حاضر ہے تم جو چاہو لے سکتی ہو۔ مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ تمہارا حکم نافذ ہے۔ تمہارا فضل و شرف مستم ہے۔ تمہاری عظمت و رفعت سے کسی کو انکار نہیں ہے میرا مال حاضر ہے مگر مرا مال مسدود یعنی ذک یا برفق ہے۔ اس میں تمہارے ہی والد محترم و مکرم حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق میراث جاری نہیں ہو سکتی۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں ذک میں میراث جاری کر کے رسول کے حکم کی کیسے مخالفت کروں۔ صدیق اکبرؓ کے اس بیان سے جو شیعوں کی جی مذہبی کتب میں مذکور ہے۔ یہ واضح ہو گیا کہ ذک حضرت صدیق نے صرف اس لیے نہیں تقسیم کیا کہ اس کے متعلق حضور کا ارشاد موجود تھا۔

ثانیاً۔ حق الیقین کے اس حوالہ سے اس اعتراض کی بھی دھجیاں ڈال گئیں جو شیعوں کے مشہور عالم سید محمد مدنی نے اپنی تصنیف سواد التبیان کے ۱۶۵ پر کیا ہے کہ اگر ابو بکرؓ خطا وار نہ تھے تو انھوں نے معذرت کیوں کی۔ کیا بغیر قصو کیے بھی کوئی معذرت کرتا ہے۔ آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ پاک۔

تو اس کا جواب بھی حق البقیں کے حوالے سے ہو گیا۔ کہ حضرت صدیق اکبر نے اپنے قصور وار ہونے کی وجہ سے معذرت نہیں کی تھی بلکہ اس لیے کی تھی کہ ان کے دل میں جناب سیدہ کی انتہائی تعظیم و توقیر تھی اور وہ چاہتے ہیں کہ سیدہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ اور وہ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ میں میراث کی لغیٰ اپنی طرف سے کر رہا ہوں۔ اس لیے بار بار وہ اس امر کی وضاحت کرتے تھے کہ میراث کی لغیٰ نہیں ہے لہٰذا سے پد بزرگوار حضور سید المرسلین کے حکم کی بنا پر یہ ہے اور علی طور پر اس کی دلیل یہ پیش فرماتے تھے کہ میرا تمام مال و دولت آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ چاہے تو اس کو قبول کر لو۔

کیا حضرت علی نے فدک تقسیم کیا؟ | یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تمام کتب تواریخ اس پر شاہد ہیں کہ فدک زمانہ علوی میں بھی اسی طرح رہا جیسے صدیقی و فاروق

کے دورِ خلافت میں تھا اور حضرت علی نے بھی فدک میں وہی طریقہ جاری رکھا جو صدیق اکبر نے جاری رکھا تھا۔ تو اگر حضرت صدیق اکبر نے اپنے دورِ حکومت میں فدک غصب کر لیا تھا تو جناب علی رضی اللہ عنہ کا فرض تھا کہ وہ فدک کو تقسیم کرتے اور اس وقت جو اس کے وارث موجود تھے ان کو دے دیتے۔ اور جو ناجائز بات چلی آرہی تھی اور جو ظلم روا رکھا گیا اس کو اپنے دورِ خلافت میں ختم کر دیتے کیونکہ خود حضرت علی فرماتے ہیں کہ امام کے لیے پانچ امر ضروری ہیں :-

(۱) خوب و عطا کنا (۲) لوگوں کی خیر خواہی میں خوب قوت صرف کرنا (۳) نبی کی سنت کو زندہ کرنا۔ (۴) سزاؤں کے حقداروں کو سزا دینا (۵) حقداروں کو ان کے حقوق واپس لوٹا دینا (۶) نبیج البلاغہ صریحاً اسی طرح رجال کشی میں حضرت علی کا یہ ارشاد مذکور ہے :-

انی اذا بصوت شیئا منکراً اذ	جب میں خلافت شریعت کا کام دیکھتا
قدت نارا و دعوت قہراً۔	ہوں تو آگ جلاتا ہوں اور قہر کو بلاتا ہوں۔
(رجال کشی ص ۱۹)	اسی بنا پر آپ نے ان لوگوں کو آگ میں جلا دیا تھا۔ جو آپ کو خدا کے لگ گئے تھے۔ پھر فرماتے ہیں :-

ولا المعطل للسنۃ فیہلک	امام ایسا نہیں ہونا چاہیے جو پیغمبر کے
الامۃ (نہج البلاغہ ص ۳۹)	طریقے کو چھوڑ دے نہ اس کی ہلاک ہو جائیگی۔

لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے فدک میں وہی طریقہ جاری رکھا جو سیدنا صدیق اکبر کا تھا

جو اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک مذک میں صدیقی طرز عمل حق و ثواب تھا اور علی رضی اللہ عنہ صدیقی طرز عمل کو بالکل شریعت اسلامیہ کے مطابق جانتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ حضرات کا صدیقی خلافت میں غضب مذک کا قول کرنا حضرت علی کی امامت و خلافت پر شرمناک حملہ ہے۔ کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ صدیق اکبر نے مذک غضب کر لیا تھا تو حضرت علی پر بھی یہ الزام قائم ہوگا۔ مگر انہوں نے مذک کو صدیقی خلافت کے دستور پر جاری رکھ کر امامت و خلافت کا حق ادا نہیں کیا۔ حضرت صدیق اکبر اگر غاصب مذک ثابت ہوں گے تو علی رضی اللہ عنہ غضب کے برقرار رکھنے والے۔ سو چلے کہ غضب کرنے والا زیادہ مجرم ہے یا غضب کو برقرار رکھنے والا۔ اور غاصبوں کے طرز عمل کی باوجود حکومت و سلطنت کے حمایت کرنا (معاذ اللہ) غرضیکہ قضیہ مذک میں جناب علی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل دنیا کی شیعیت پر بہت بھاری جھٹ ہے۔

اگر صدیق اکبر کی خلافت پر اعتراض ہوگا تو سیدنا علی کی خلافت پر بھی حوت آئے گا۔ پس جناب علی رضی اللہ عنہ کا اراضی مذک کو اسی دستور پر رکھنا جس پر کہ جناب صدیق اکبر نے رکھا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقانیت اور ان کے طرز عمل کی صحت پر دلیل قاطعہ ہے۔

اس سے موقع پر شیعہ یہ کہا کرتے ہیں کہ حضرت علی نے مذک اس لیے تقسیم نہیں کیا کہ اہل بیت اہل منصوب واپس نہیں لیا کرتے۔ لیکن یہ بات انتہائی لچر ہے۔ محاسن المومنین میں ملا نور اللہ شوشتری نے لکھا ہے۔ عمر بن عبد العزیز کے اپنے دور حکومت میں مذک امام باقر کی تحویل میں دے دیا تھا۔ اگر زعم شیعہ اہل بیت اشیائے منصوبہ نہیں لیا کرتے تو امام باقر نے جو شیعوں کے نزدیک معصوم ہیں۔ مذک واپس لے کر اپنے آباؤ اجداد کا کیوں خلافت کیا؟ اس کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ نے خلافت منصوبہ کو کیوں قبول کیا اور حضرت امام حسین خلافت منصوبہ کی خاطر یزید سے کیوں لڑے؟ چونکہ معصومین کا ایک ساحل ہوتا ہے۔ تو اس جواب سے تو شیعوں پر بہت سے اعتراض پڑ جائیں گے۔ اس لئے آپ کو ماننا پڑے گا کہ مذک کو حضرت علی نے اس لیے تقسیم نہیں کیا کہ ان کے نزدیک صدیق و فاریق کا فیصلہ اور عمل صحیح و ثواب تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت علی ضرور اس فرض کو ادا فرماتے اور کسی حالت میں بھی کوتاہی نہ فرماتے۔

ایک اعتراض شیعہ یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی تو ازواج مطہرات کے حصے | ازواج مطہرات کی میراث میں حصے کیوں دیے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے

کہ ازواج مطہرات کے پاس جو حجرے تھے وہ بطور میراث ان کو نہیں ملے تھے۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں ہر بی بی کو ایک ایک حجرہ بنا کر ان کے قبضہ میں دے دیا تھا۔ اور ازواج نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ان پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور یہ سب مع قبضہ موجب ملکیت ہے۔ جیسا کہ حضرت فاطمہ اور حضرت اسماء کو بھی حضور نے اس قسم کے گھر بنا کر ان کی تحویل میں دے دیے تھے اور ازواج مطہرات اور بی بیوں کے مالک تھے۔ لہذا یہ حجرے ازواج کو میراث نہیں ملے تھے بلکہ یہ تو ان کی ملکیت تھے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ شیعہ سنی کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ جب امام حسن کی وفات نزدیک آئی تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کے حجرہ میں فن کیے جانے کی اجازت مانگی تھی۔ اگر یہ حجرہ حضرت عائشہ کی ملکیت نہ ہوتا تو اجازت مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔

ثانیاً۔ قرآن سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ حجرے ازواج مطہرات کی ملکیت تھے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حجرے خود حضور نے اپنی حیات میں ازواج کی ملکیت میں دے دیے تھے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

قُرْآنٌ مُّیُونٌ

اے رسول کی پیروی! اپنے گھروں میں ہو

اگر یہ حجرے ازواج کی ملکیت نہ ہوتے تو کچھ قرن فی بیوت الرسول و رسول کے گھروں میں قرار پکڑتے ہوتا۔ چاہیے تھا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا کہ حجرے ازواج کی ملکیت تھے اور میراث میں ان کو نہیں ملے تھے۔